نادر

مجموعہ کلام

ابوالخیال عالی جناب جان رابرٹ پال نادر شاہجہانپوری

(مرحوم)

مرتبہ

جسٹس۔ آر۔ پال

بار۔ اول : سنہ ۱۹۹۰ء
تعداد اشاعت : ۶۰۰ کاپیاں
طباعت : ندائے حق پریس حضرت گنج لکھنؤ
ناشر : جے۔ آر۔ پال۔ نزد کھاتی بابا مندر سیپری بازار جھانسی

قیمت فی کاپی : ۲۵ روپیہ

ملنے کا پتہ :-

۱:- جے۔ آر۔ پال۔ نزد کھاتی بابا مندر سیپری بازار جھانسی
۲:- احسان آدارہ۔ چھاؤنی۔ باندہ۔ یو۔ پی۔ 210001

GHUROOR-E-TISHNA LABI

By

J. R. PAUL "NADIR"

یہ کتاب

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ

کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

◉

اس کتاب کے مندرجات سے

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ کا

متفق ہونا ضروری نہیں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ

ر

پ ۲۶ ر فروری ۱۸۹۰ء - انتقال ۲۱ مئی ۱۹۶۳ء

ابوالخیال جان رابرٹ پال نادر پال شاہجہانپوری

ثم

جھانسوی

(عطیہ جناب پروفیسر ونیمیس ہما میرٹھی - جانشین جناب نادر

پال - مقیم - اندور - ایم - پی)

شجرۂ شاعری مؤلف

•

حضرت سراج الدین خاں آرزو اکبر آبادی

↓

ملک الشعراء میر تقی میر۔ دہلوی

↓

سید حسن عسکری عرف میر کلّو عرشؔ لکھنوی (خلف میر)

↓

شیخ محمد جان شادؔ لکھنوی

↓

علامہ خواجہ عبد الرؤف عشرتؔ لکھنوی۔ بی۔ اے

↓

ابو الخیال ماسٹر جان رابرٹ پال نادرؔ شاہجہانپوری

•

(مؤلف کے ذریعہ مرتبہ یادداشت سے مرتب کیا گیا۔)

ان تمام بزرگوں کے نام —

جو تمام زندگی تشنہ کام رہے
اور ان کے خوابوں کو —
آنے والی نسلوں نے پورا کیا

○

جسپر۔ آر۔ پال

لا دے ۔ دے مئے طرفہ بیانی ساقی
محفل میں نہ ہو، آبرو پانی ساقی
نادؔر کو وہ شے دے کہ جسے پیتے ہی
اشعار میں آجائے روانی ساقی

○

دورانِ بقا دم میں گذر جائے گا
طوفان جوانی کا اتر جائے گا
کیوں مست ہے صہبائے خودی سے نادؔر
کہہ یادِ الٰہی کہ تو مر جائے گا

○

ہر سانس کو پورا تجھے کرنا ہوگا
جینے کا یہ حاصل ہے کہ مرنا ہوگا
کس کام کا نادؔر یہ فرازِ دنیا
جب قبر کی پستی میں اُترنا ہوگا

○

پیشِ لفظ۔

جرعہ جرعہ

•

صوبۂ اتر پردیش کے جنوب مشرقی حصے میں واقع بندیلکھنڈ کمشنری کے تحت قدیم ترین تاریخی شہر اور علاقے آتے ہیں جن کا تعلق پتھر کے زمانے سے رہا ہے۔ اور جب کبھی مشہور عالم قلعۂ کالنجر کے حوالے سے کبھی پہلی جنگِ آزادی کی جانباز حب الوطن خاتون مہارانی لکشمی بائی کے اور ان کے دست راست نواب علی بہادر باندہ کے حوالے سے، ہمارے ذہن میں اس علاقے کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ لیکن اس خطے میں ہمارے کس قدر علمی اور ثقافتی و تہذیبی سرمایہ محفوظ ہے، اس کا نہ تو کسی کو پتہ ہی ہے اور نہ ہی اُسکے تلاش کیے جانے کی کوشش آج تک کی گئی ہے۔ خصوصی طور پر اردو زبان سے متعلق ادب کی تحقیق و تلاش محض نہیں کے برابر ہے اس سے یہ اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ محقق حضرات نے یا تو یہ رائے اس علاقے کے متعلق قائم کرلی ہے کہ یہاں اردو زبان و ادب کا وجود ہی نہ ہوگا۔ یا محض تلاش و تحقیق کی زحمت سے گریز کرتے ہوئے اس خطے کو اچھوتا چھوڑ دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس خطے کے صاحبِ کمال اہل علم حضرات کی نہ تو تخلیقات ہی ریکارڈ پر ہیں اور نہ ہی کہیں ادب میں ان کا تذکرہ ہی دستیاب ہے۔

اس ضمن میں یہ ایک عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ پہلی جنوری ۱۹۸۹ء کو

جھانسی میں جناب کشفی جھانسوی اور پیام جھانسوی کے ذریعہ ترتیب دیئے گئے، عالی جناب تپش مین پوروی (مرحوم) کے مجموعہ کلام بہ عنوان "آتش گل تر" کی محفل رونمائی میں خادم کو شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جو اس تلاش کی جھانسی ضلع میں پہلی کڑی تھی۔ یہاں مجھے ایسے صاحب علم حضرات سے متعارف ہونے کا موقع میسر آیا جو اردو زبان و ادب کے شیدائیوں میں سے تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ بندیلکھنڈ کے اردو زبان کے سرمایے پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور یہ طے پایا گیا کہ اس خطے کے ہر بزرگ شاعر کہ جس نے ۴۰-۵۰ برس زبان و ادب کی خدمت کی ہو اس کے ذخیرۂ ادب کی تلاش و ترتیب کی جائے اور اسے طبع کرایا جائے۔ تاکہ اس علاقے کے اہل علم کی کاوشوں کا ریکارڈ بنایا جا سکے۔ اس سلسلے میں جناب جان رابرٹ پال۔ نادر صاحب کا بھی تذکرہ ہوا۔ اور ان کے کلام کی ترتیب سے اس تحریک کی شروعات کا فیصلہ ہوا۔

ڈاکٹر الف، ایچ رحمانی، صاحب نے اس سلسلے میں خصوصی توجہ فرمائی اور اس ذی علم بزرگ شاعر کا سارا کلام مرحوم کے پوتے جیمس پال کے ذریعہ میرے پاس بھجوا دیا۔ اس کی ترتیب کے درمیان مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جب تک کہ مرحوم شاعر کے ذریعہ جی گئی ۷۴-۷۵ برس کی پر افتاد زندگی کے تمام واقعات و حالات کے ماحول میں ذہنی پرواز کے ذریعہ پہنچ کر اس سطح کو چھونے کی سعی نہیں کی جاتی کہ جس سطح پر شاعر اپنی تخلیقات کرتا رہا تھا تب تک انتخاب اور ترتیب میں مرحوم شاعر کے ساتھ انصاف کیا جانا ممکن نہیں ہے کیونکہ شاعری انسانی جذبات اور حالات کا آئینہ ہوتی ہے اور اس کو زماں و مکاں کے پس منظر میں رکھے بغیر سمجھنا ایک مشکل عمل ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جناب نادر مرحوم کے ذریعہ تحریر کردہ نامکمل سوانح حیات سے متعلق ایک یادداشت بھی اسی ذخیرہ ادب میں نگاہ سے گزری جس نے میری بے حد رہبری کی۔ اور مجھے شاعر کی ذات میں جھانکنے اور اس کی زندگی کی کربناکی کا احساس کرانے میں معاون ثابت ہوئی۔ اس کے علاوہ جناب ڈی۔ اے بہیریس قربان صاحب کے ذریعہ تحریر کردہ کتاب "ذکر حسین" میں شامل جناب نادر صاحب سے متعلق پر مغز مضمون نے بھی شاعر موصوف کے متعلق کافی معلومات فراہم کیں۔ اور ان ہی حالات کی روشنی میں کوشش کی گئی ہے کہ مرحوم شاعر کے ذخیرہ ادب میں سے کچھ جواہر ریزے طبع کرائے جائیں۔ اور انھیں شائقین ادب متعارف کرایا جائے۔ اسی پس منظر میں اس مجموعہ کلام "غرورِ تشنہ لبی" کے ترتیب دینے کی سعادت خادم کو نصیب ہوئی ہے۔

(حضرت نادر کی یادداشت شاملِ اشاعت ہے)

حضرتِ نادر (مرحوم) کی زندگی کے مختصر نامے کے ساتھ ساتھ جب ہم اردو زبان کے متعلق غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۱۹۴۷ء تک اردو دوسری زبانوں کے مقابلے میں ایسی زبان تھی جسے معیاری تصور کیا جاتا تھا۔ اور یہ زبان خاص اور عام کی ہوا کرتی تھی۔ جو مذاہب کی قیود سے بالاتر تھی۔ ہندوستان میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب ہی اردو پڑھتے اور اسی زبان میں تخلیقات بھی کرتے تھے۔ تمام مذہبی کتب بھی بیشتر اردو زبان میں ہوتی تھیں جس سے سبھی لوگ استفادہ کرتے تھے۔ اور ایک مذہب کی پہنچ اسی زبان کے درمیان سے دوسرے مذاہب کے لوگوں تک ممکن تھی نتیجہ یہ تھا کہ ایسی سمجھداری اور میل ملاپ اور مذہبی رواداری کی فضا قائم تھی اور نظریات کا لین دین بخوبی اسی زبان کے درمیان سے ہو رہا تھا۔ لیکن اردو زبان کو پورے منظر نامے سے نکال باہر کیے جانے کے بعد یہ ایسی سمجھداری

میل ملاپ، کی جگہ پر عناد خلا پیدا ہو گیا۔ اور اس خلا نے غلط فہمیوں، نفرت اور بیزاری کی فضا قائم کی جس کی مثال ہمارے سامنے دن بدن بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کی شکل میں آج موجود ہے۔

نادر صاحب نے جو اسی دور کے پروردہ تھے، عیسائی مذہب رکھتے ہوئے بھی شروع ہی سے سارے مذہبی علم کو اردو زبان کے ذریعہ ہی حاصل کرنے کی بنا پر اردو سے ذہنی قربت کا احساس کیا۔ اور اسی زبان کو اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ گو اس اردو پرستی نے انھیں مختلف مراحل پر سخت امتحانوں سے گذرنے پر مجبور کیا۔ مگر انھوں نے مرتے دم تک اردو کا دامن نہیں چھوڑا۔

موصوف کے پوتے میاں جیسپر آر۔ پال، قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے اپنے خاندان کے ذی علم بزرگ کا یہ ذخیرۂ ادب اپنی جان سے زیادہ سمجھ کر محفوظ رکھا۔ ورنہ جو خطوط موصوف کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں کی جانب سے بیگم نادر کو موصول ہوئے تھے (جو جیسپر پال صاحب کے پاس محفوظ ہیں) اور جن میں موصوف کے دیوان کے طبع کرائے جانے کی بات تھی۔ ان سے ظاہر ہے کہ سب ہی شاگردوں میں آپسی سمجھداری اور اعتبار کی خاصی کمی تھی۔ اسی خاطر یہ ارادہ عمل میں نہ آسکا۔ اور دراصل یہ خدا کی مرضی ہی تھی کہ یہ نیک کام بندۂ ناچیز کے ہاتھوں تکمیل پائے اس لیے ان تمام ذرائع کے بعد بھی یہ کام موصوف کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد ۲۷ سال کے عرصے میں نہ ہو سکا۔ بہر حال ایک بزرگ کی خواہشات کی تکمیل کا سارا کریڈٹ جیسپر آر۔ پال کو ہے۔ جنھوں نے اسے ایک مقدس فریضے کی مانند انجام دیا ہے۔ خدا ان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرے اور

---

[1] حضرت نادر نے اپنے کلام کی اشاعت کے سلسلے میں جو شکوہ خدا سے نظم کی صورت میں کیا ہے [illegible] کیا جا سکتا ہے۔

عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین۔

اس مجموعہ کلام کی ترتیب میں ایک ادنیٰ خادم و ہمدرد گار کی حیثیت سے مجھ سے جس قدر ممکن ہو سکا ہے۔ شاعر موصوف کے نمائندہ کلام کا انتخاب کیا ہے جو مرحوم کے زمانے کو دورِ حاضرہ سے منسلک کرے۔ جب کہ یہ انتخاب ان کے سارے کلام کا محض 5/1 واں حصہ ہی ہے۔ لیکن طباعت کی دقتوں اور دیگر مسائل کی بنا پر اتنے ہی پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔

موصوف کو "نقش ہنر" کا خطاب بھی ان کے قارئین نے عطا کیا تھا جس کا ثبوت ان کی نظم "نہرو" ہے۔ جو اگست ۱۹۶۲ء میں رسالہ "زندگی" دہلی میں شائع ہوئی تھی اور شاملِ اشاعت ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ بندیلکھنڈ کے اردو شعراء کے کلام کی بازیافت اور اس کی اشاعت کے سلسلے میں یہ دوسری کڑی ہے جو پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے اس یقین کے ساتھ کہ اسے پذیرائی نصیب ہو گی۔ اور سراہا جائے گا۔

خادم

اِحسان آوارہ

چھاونی ۔ باندہ ۔ یوپی

210001

۱۲ جون ۱۹۸۹ء

نوٹ:۔ موصوف کے شاگرد۔ اور مشہور شاعر۔ نفیس جھانسوی۔ کا مجموعۂ کلام "آتشِ خون" بھی زیرِ ترتیب ہے اور جلد ہی طبع ہو جائے گا۔

یادِ رفتگاں

(خط کے اقتباسات پر منحصر مختصر مضمون)

نادرؔ صاحب سے کبھی شخصی ملاقات کی سعادت نصیب نہیں ہوئی میں نے عہدِ جوانی کی تصویر ضرور ان کے پاس روانہ کی تھی۔ انھوں نے بھی مجھے اپنی تصویر عنایت فرمائی تھی۔ ہم دونوں کی گفتگو ہمیشہ خطوط کے وسیلوں سے ہوئی تھی چنانچہ فردوس نشیں حضرت استاد کے بارے میں اگر کچھ لکھتا ہوں یا کہتا ہوں تو انھیں خطوط اور تحریروں کی دستاویزات کی بنیاد پر اپنی طرف سے نہیں۔ اپنی تصنیف میں بھی میں نے حضرت استاد کے کچھ نادر خطوط پیش کیے ہیں۔

میں روحانی وسائل کا بھی قائل ہوں۔ اور خوش نصیب ہوں کہ حضرت امیر خسرو، میر تقی میرؔ، خواجہ عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی سے مجھے اکثر روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ ایک طرحی مشاعرے کے لیے غزل کہہ کر جب گردوں مقام حضرت استاد کو برائے اصلاح بھیجی تو ایک مصرعے پر کئی صاد ین لگاتے ہوئے انھوں نے تحریر کیا۔

"یہ مصرعہ تم نے کیسے کہہ لیا۔ ایسا مصرعہ یا تو میں کہہ سکتا تھا۔ یا میرے استاد خواجہ عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی یا پھر خدائے سخن میر تقی میرؔ صاحب، یہ بات سمجھ لو کہ تم پر میر تقی میرؔ کا روحانی فیض ہے جو ... گوں کے

نصیب میں یہ بات نہیں تھی"

حالانکہ استاد محترم نے میری جانشینی کا فیصلہ جھانسی میں بزم شعر میں اعلانیہ کر دیا تھا۔ اور مجھے تحریر بھی بھیجی تھی۔ مگر قسمت نے میری ساتھ عجیب مذاق کیا۔ کہ میں ان سے کبھی شخصی ملاقات نہ کر سکا۔ دراصل میں ان دنوں شراب جیسی خبیث شے میں دن رات غرق رہتا تھا ندا فاضلی (شاعر و گیت کار) اور صبا فاضلی ان کے بھائی، وقار قریشی ایڈیٹر منزل کو یہ حقیقت بخوبی معلوم ہے میں گوالیار ڈویژن کا انسپکٹر تھا۔ اور میرے پاس سرکاری جیپ آپ تھی دتارہ (جھانسی سے کچھ ہی میل پر یوپی۔ اور مدھیہ پردیش کی سرحد پر واقع ہے) تک۔ آر۔ ٹی۔ آئی۔ ای کی حیثیت سے دورے پر آتا تھا۔ مگر میری بدقسمتی کہ کبھی استاد محترم کو دیکھنے نہیں گیا۔ ایک بار گیا بھی تو جھانسی کے ایک ہوٹل میں پینے بیٹھ گیا اور نشہ زیادہ ہونے سے ان سے ملے بغیر ہی واپس چلا آیا۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں ان کا سامنا کیسے کرتا۔

محترم استاد کے شاگرد تو بہت ہیں لیکن چند مشہور ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مہر کا دلیم۔ ہما میرٹھی۔ بی۔ اے
(۲) چارلس مونز نیز۔ موسیٰ۔ کانپوری۔ بی۔ اے
(۳) جے ایس۔ داس فانی اکبرآبادی۔ بی۔ اے
(۴) ڈینیل چرن عشرت علیگ دہلی
(۵) ٹامسن چرن۔ عبرت۔ علیگ دہلی
(۶) ڈی کا ہیرلیس۔ قربان۔ ایم۔ اے
(۷) مس کلیرا۔ ہیپن ناہید بدایونی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی
(۸) وکٹر نیوٹن۔ ثمر دہلوی
(۹) حافظ محمد شفیع صاحب نفیس جھانسوی۔ مشہور شاعر

(۱۰) حکیم حافظ محمد عمر فطرت بھرواری الٰہ آباد مشہور شاعر

(۱۱) جگناتھ پرشاد، جوش فرخ آبادی۔ بی۔ اے بہت مشہور شاعر

(۱۲) ندرت کانپوری

(۱۳) محشر جھادلی

(۱۴) فلک بھسادلی

جناب ای۔ جے۔ پال۔ ناجی شاہجہانپوری (متوفی پہلی جنوری ۱۹۸۶ء) شاگرد حضرت نادر نے اپنی یادداشت کے مطابق ۳۸ شعراء کو استاد نادر مرحوم کا شاگرد بتایا ہے۔ میں نے اپنی تصنیف "مسیحی اردو مصنفین" میں ان باتوں کا اور دیگر امور کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب ترقی اردو بورڈ دہلی کی جانب سے شائع ہو رہی ہے۔

مسیحی جماعت میں کئی ایسے استاذہ گذرے ہیں جن پر بخوبی کام کیا جا سکتا ہے مثلاً منشی پیارے لال شاکر میرٹھی۔ جن کا تعلق لکھنؤ سے زیادہ تھا۔ منشی عابد مسیح ذاکر۔ صادق اندوری۔ پادری حشمت اللہ پال۔ منت وغیرہم۔ یہ سب ماضی کی وہ عظیم ادبی ہستیاں ہیں جنھیں ہم نے فراموش کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک گویا۔ ایک ادارہ رہ چکا ہے۔

ابوالخیال نادر صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حضرت کمفرٹ پال نے مجھے خط لکھا تھا۔ پھر ایک نوعمر لڑکا ۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء میں میرے پاس اندور آیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ کہ نادر صاحب کا دیوان اس کے پاس ہے چند ہی برس گذرے جب کسی نے مجھے بتایا کہ وہ لڑکا آج تک واپس جھانسی نہیں پہنچا۔ اب خدا معلوم یہ جے آر پال صاحب استاد جان رابرٹ پال نادر کے رشتے میں کیا ہیں۔

(یہی جان رابرٹ پال نادر مرحوم کے پوتے جے آر۔ پال میں۔ مرتب)

٭ آپ کا (احسان آدارہ) بے حد ممنون ہوں کہ آپ ایک مرحوم شاعر

کو دوبارہ زندگی بخشنے کا وسیلہ بن رہے ہیں۔ خدا آپ کی محنت کو ثمر آور کرے
زیادہ خوشی اس لیے ہے کہ میں انھیں کا کفش بردار ہوں۔ جہاں تک میرے علم
میں ہے۔ استاد مرحوم نے کبھی ایسا نہیں کہا

" میری کاوشیں اس لیے شائع نہیں ہو سکیں کہ میں مسلمان
نہیں ہوں۔"

زندگی میں میری ان سے کبھی ملاقات تو نہیں ہو سکی۔ میں تو صرف ان ہی باتوں
سے واقف ہوں۔ اور مستند سمجھتا ہوں۔ جو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں
کم از کم میرے پاس ان کی کوئی ایسی تحریر نہیں ہے۔ وہ قطعی طور پر غیر متعصب شخص
تھے۔ مسلمانوں سے انھیں کافی لگاؤ تھا۔ وہ خود مسلمان استاد کے ہی شاگرد
تھے۔

نیاز مند
ہما میر تحفی

پوسٹ بکس ۔ 150
اندور ۔ ایم ۔ پی 452001
۱۰ رجولائی ۱۹۸۹ء

دعائیہ

خدا کا شکر ہے کہ میاں احسان آوارہ کی آواز صدا بہ صحرا نہیں ثابت ہوئی
اور سہ

شائد کہ کوئی بندۂ خدا آئے
صحرا میں اذاں دے رہا ہوں

کے مصداق جھانسی کے بزرگ اور اساتذہ میں شمار ہونے والے شاعر ابوالخیال جناب جان رابرٹ پال ۔ نادر شاہجہانپوری ثم جھانسوی (مرحوم) کی تمام عمر کے سرمایہ کو محترم جناب جیسپر پال باندہ لائے۔ اور احسان آوارہ کی کاوشوں سے اس ذخیرے میں سے ایک انتخاب مرتب ہو کر آپ حضرات کے سامنے ہے۔ جھانسی کی ادبی تاریخ میں یہ دوسرا سنگ میل ثابت ہوگا۔ اس سے قبل حضرت تپش مین پوروی کے کلام کی اشاعت جناب کشفی اور پیام کی کوششوں سے ممکن ہو سکی ہے۔ ابھی راستہ دشوار اور سفر طویل ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس راہ پر نئے نئے سنگ میل نصیب ہوں اور بندیلکھنڈ کے ادبی سفر کی نشاندہی قابل فخر اساتذہ کے کلام سے کی جانی ممکن ہو سکے۔

قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو اپنے بزرگوں کے کارناموں کی ترویج و اشاعت اس لگن و خلوص سے کرتے ہیں۔ خدا انھیں نیک کاموں کی خاطر اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین

شیو پرشاد برگ باندوی

چوک بازار ۔ پان دریبہ
باندہ ۔ 210001
۲۲ جون ۱۹۸۹ء

عقیدت

آنجہانی محترم نادر صاحب کے متعلق جہاں بے شمار یادیں میرے ذہن
میں محفوظ ہیں۔ وہیں ان کی شخصیت اور ان کے فن کے متعلق بھی ایک دائمی تاثر بھی میرے
ذہن میں ہے۔ بہر حال استاد مرحوم کے دیوان کی طباعت کے سلسلے میں مجھے جو
سعادت بخشی گئی ہے۔ اس ضمن میں مجھے عرض کرنا ہے۔ کہ محترم استاد سے میری ملاقات
دورانِ تعلیم ہی ہوئی۔ اس وقت پڑھے لکھے معاشرے میں شعر و شاعری کا ماحول
تھا۔ جھانسی میں واحد شخصیت استاد کی تھی۔ ان کے شاگردوں نے بھی ایک
خاصہ ادبی ماحول بنا لیا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں تقریباً ۱۲-۱۴ شاگرد جھانسی میں
موجود تھے۔ بیرونی شاگردوں کا کلام بھی آتا رہتا تھا۔ الغرض ان کے دم سے
نگرا۔ گڑھیا پھاٹک اور ببلیا نمبر ۹ کی بستیوں میں خاصہ ادبی ذوق پیدا ہو گیا تھا
اور اس نے پورے جھانسی ضلع کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ جو تقسیم کے بعد بھی
عرصہ تک قائم رہا۔ موصوف خود کو پیروے میر تقی میر مانتے تھے اور اسی سلسلے
کے استاد خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی کے خاص شاگردوں میں شمار کیے
جاتے تھے مقامی مشن کے اسکول میں آپ درس دیتے تھے اور شاید کچھ عرصہ ریلوے
میں بھی ملازمت کر چکے تھے۔

موصوف کو زبانِ اردو پر مکمل عبور حاصل تھا۔ روزمرہ محاورات، سہل انداز
بیان، برجستہ استعارات و تشبیہات، مضامین میں جدت طرازی کے ساتھ ساتھ
قادر الکلامی کا یہ عالم تھا کہ اگر چار شاگرد مشاعرے سے دو گھنٹے قبل بھی آگئے تو
محروم نہیں گئے۔ موصوف کی جدت آرائی پر ہی مقامی انٹر کالج کے مشاعرے
میں افضل الخیال کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ اور ان کے ناشرین بھی

اس خطاب کے ساتھ ان کا کلام شائع کرتے تھے۔

موصوف کے مزاج میں بے انتہا غیرت تھی۔ کبھی کسی افسر کی پرواہ کیے بغیر اپنی سوچ و فکر پر مناسب عمل کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ کئی جگہ ملازمتیں کیں۔ اور چھوڑ دیں۔ صوفی منش، آزاد طبیعت، اور نفاست پسند مزاج کے ساتھ ساتھ ظرافت پسند اور گفتگو میں لطافت اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مذہباً مسیحی مسلک کے تھے لیکن ہر قسم کے تعصب سے پاک تھے فن عروض پر مکمل گرفت رکھتے تھے۔ ان کا شمار اردو کے جانثاروں میں کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اپنی عمر کے آخری لمحے تک اردو کی خاطر وہ کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔

اپنی زندگی کی شروعات سے ہی جدوجہد اور مصائب سے نبرد آزما رہنے کی بنا پر آخر وقت میں کچھ جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اور اسی میں وفات پائی ؎

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مجھے بے حد خوشی ہے کہ ان کے ذخیرۂ ادب میں کچھ حصہ منظر عام پر آرہا ہے اور میرا یقین ہے کہ اسے سراہا جائے گا۔ اور ادب میں مناسب مقام دیا جائے گا۔

حافظ نفیس جھانسوی

جھانسی
۱۹۹۰ء

دعائیہ

○

میرے والد بزرگوار انجہانی جان رابرٹ پال نادر شاہجہانپوری کے کلام کی طباعت سے میرے دل کو جو خوشی و سکون میسر آیا ہے اس کا تمام تر کریڈٹ میرے بھتیجے جسپیر آر۔ پال کو ہے جنھوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ ان کے دادا مرحوم کی آخری خواہش کی تکمیل کی جائے۔ میری نسل تو یہ کام انجام نہ دے سکی۔ لیکن آگے آنے والی نسل نے اسے خوش انجام تک پہنچایا۔ جس سے میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے مرحوم کی روح کو سکون بخشنے کے ساتھ ایک ادبی کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔ خدا انھیں اور ان کے معاون حضرات کو اس کا اجر دے گا۔

آمین

بائیرن کمفرٹ پال

جھانسی
۱۹۹۰ء

○

من کہ..

میرا نام جان رابرٹ پال تخلص نادر شاہجہانپوری ہے میرے
والد ماجد کا نام مول چند پال تھا۔ جن کا وطن موضع راما پور متصل روزا جنکشن
ضلع شاہجہاں پور تھا میں بھی راما پور ہی میں پیدا ہوا تھا۔ مسیحی ہونے سے
پہلے میرے والد اور والدہ دونوں اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جہاں سے
پادری ڈرم سنگھ، پادری لاکھن سنگھ اور رگھو سنگھ ایسے بہادر لوگ پیدا
ہوئے تھے۔ میرے والدین مسیحی ہونے کے بعد شاہ پور گڑھی ضلع شاہجہاں پور
میں مُبشر کا کام کرتے تھے اور کل نو روپیے ماہوار مشاہرہ پاتے تھے جو آج کل کے
سَو روپیہ سے کہیں زیادہ تھے۔ میں ۲۶ فروری ۱۸۹۰ء کو عالم وجود میں آیا تھا چونکہ
ٹھاکر ہونے کی حیثیت سے والدین کو چرس پینے کی بدعادت تھی (جس کو مسیحی
ہونے کے بعد ترک کر دیا تھا) لہٰذا ان کو ۴۸ برس کی عمر میں بعارضہ دمہ دار
فانی کو چھوڑنا پڑا۔ اور میرا بڑا بھائی پادری جیمس پال میتن اور دو
بہنیں اور ماں بالکل بے سرو سامانی کی حالت میں رہ گئے۔ باپ لودھی پور
کے مشن اسپتال میں مرے تھے۔ اور وہیں کے قبرستان میں دفن ہیں ہماری
بے چاری ماں نے ہم کو لودھی پور کے مشن یتیم خانے میں بھرتی کر دا دیا۔
اور بہنوں کو بریلی بھیج دیا۔ اور خود بے چاری بیوہ خانے میں رہ کر مشن
کے یتیم بچوں کے لیے ڈیڑھ روپیہ ماہوار پر گیہوں پیسنا شروع کر دیا۔ شاید
میتھوڈسٹ مشن کچھ مدد دیتی ہو گی۔ باپ کا صدمہ ہماری ماں کو بہت زیادہ
تھا اور وہ اسی غم میں بہت جلد ہم کو چھوڑ کر باپ کے پاس چلی گئیں واہ
رے والدین۔ خدا آپ دونوں کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

میں نے مشن ہائی اسکول شاہجہاں پور سے ۱۹۰۷ء میں انٹرنس پاس کر لیا۔ میرے بڑے بھائی جیمس پال جو بیگم آباد میرٹھ میں پادری تھے ہمیشہ میری مدد کرتے رہے جن کی نوازشوں کا میں آج بھی احسان مند ہوں بھائی ہو تو ایسا جس نے بھوکے ننگے رہ کر بھی زمانۂ طالب علمی میں میری مدد کی۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد مسز بلیک اسٹاک نے مجھے ریڈ کرسچین کالج لکھنؤ میں بھرتی کروا دیا۔ مگر چونکہ میں اس کالج میں بھی یتیم ہی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اور لباس وغیرہ اور لڑکوں کی طرح نہ ملتا تھا لہٰذا بہت کم نظری سے دیکھا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ میرے کالج چھوڑنے کی ہوئی واپس شاہجہاں پور لوٹ گیا کچھ دن تک پادری لیسٹ صاحب تک کے تلہر کے مڈل اسکول میں مدرسی کی۔ وہاں سے پادری۔ این۔ ایل۔ رائی صاحب نے سنڈے اسکول کی تدوین میں مدد کرنے کو بلایا۔ اب میں گونڈہ میں لڑکوں کا ہاؤس قادر بھی ہو گیا تھا۔ مجھے صرف مبلغ سولہ ۱۶ روپیے مع خوراک ملتے تھے۔ جی اچاٹ رہتا تھا۔ وہاں سے نوکری چھوڑ کر فیمن ریلیف ورکس ایجنٹ ہو گیا۔ چالیس روپیہ ماہواری متاہرے پر پھر وہاں سے نوکری چھوڑ کر پناہ پور ڈاکخانہ سیگواں ضلع کھیری میں اپنے بھائی کی سسرال۔ میں یعنی ترا سکھ گھر گونڈے پر آ گیا۔ یہاں سے میرے ہونے والے خسر پادری الیشیا سالومن مرحوم ولد سدا سکھ مرحوم مجھ کو بنارس لے گئے جہاں وہ بڑے گاؤں میں پادری تھے۔ انھوں نے مجھے لنڈن ہائی اسکول بنارس میں بیٹے کی اتالیقی عطا کیا۔ پھر تو مجھے اتنی ٹیوشن مل گئیں کہ میں صبح سے رات کے گیارہ بجے تک مشغول رہتا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں ۲۵ مئی کو میری شادی مس انجل سالومن سے پناہ پور کے گرجے میں بدست جناب پادری پریم سنگھ صاحب ہو گئی ہم کو خدا نے پندرہ اولادیں عنایت کیں جس میں سے دس بچے زندہ رہے یعنی پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہی باقی ہیں ایک لڑکا ڈنٹی موٹر سے دب کر آگرہ میں دفن ہے اور دوسری بیٹی لپٹیا یعنی مسز جانسن لکھنؤ میں گومتی سے مری ہوئی نکلی ان دونوں کی جوانا مرگی نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے خدا کا شکر ہے جو

اس کی رضا۔ لنڈن مشن ہائی اسکول میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۲ء تک کام کیا۔ وہیں ایف اے کا امتحان پرائیویٹ دیا مگر تاریخ میں فیل ہونے کی ایسی دل شکستگی ہوئی کہ پھر میں نے امتحان کا نام نہیں لیا۔ بنارس سے مرادآباد ہائی اسکول میں جناب این جارڈن صاحب کے پاس آگیا۔ پادری سیمنس صاحب پرنسپل اور منیجر کو اردو پڑھاتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد۔ این۔ جارڈن صاحب کی سفارش سے میں ہیٹ صاحب کے پاس مشن مڈل اسکول جھانسی کا ہیڈ ماسٹر ہوکر آگیا۔ اور اب تک یں ۱۹۱۷ء سے اسی مقام نگرہ جھانسی میں مقیم ہوں۔ اب شاعری کے متعلق کچھ عرض کروں۔ جب میں بنارس میں تھا۔ تو اسی وقت اردو شعر کہہ لیتا تھا۔ ایک دن ایف۔ اے کے امتحان کی تیاری میں پروفیسر الٰہی بخش صاحب قرین سے فارسی پڑھ رہا تھا۔ بنارس کے منشی ونائک پرشاد طالب بنارسی جو قرین کے شاگرد تھے۔ تشریف لائے اور کہنے لگے۔ "استاد آپ جانتے ہیں میں بہت غریب ہوں آج اردو مشاعرہ ہے۔ اگر اس مصرعہ پر گرہ لگ جائے تو ۲۰ روپیہ مل جائیں گے۔ مصرعہ یہ ہے۔

ہو گئے پتھر ہی پتھر زیر پا بالائے سر

مولوی صاحب نے مجھے مصرعہ چسپاں کرنے کا حکم دیا۔ میں نے انکار کیا تو فرمانے لگے" ہم کو معلوم ہے کہ تم خوب شعر کہتے ہو۔ مگر ہم کو نہیں سناتے ہیں تم کو حکم دیتا ہوں مصرعہ لگاؤ "میں نے فوراً عرض کیا

کوہ غم سر پر لیے فرہاد پہنچا کوہ پر
ہو گئے پتھر ہی پتھر زیر پا بالائے سر

مولوی صاحب نے خود داد دی۔ اور ونائک صاحب کو ۲۰ روپیہ انعام بھی مل گئے۔ دوسرے دن خوب مٹھائی کھلائی۔

ناتمام

بقلم جناب نادر پال صاحب
(ان کی خود نوشت یادداشت سے)

نوٹ: بقول جناب جے۔ ار۔ پال۔ یہ روایت خاندانی ہے کہ ۳۰ر مئی ۱۹۶۳ء میں شاعر موصوف کے انتقال کے بعد ان کے تکیہ کے نیچے سے یہ قطعہ برآمد ہوا تھا۔ جو ان کا آخری قطعہ تھا۔

اب تو غمِ دوراں سے طبیعت میں خلل ہے
قطع، رباعی، مثلث۔ نہ غزل ہے
ناؔدر یہ برا وقت کبھی کس وقت پڑا ہے
جب عالمِ پیری ہے قریب اپنی اجل ہے

○

حضرت نادؔر: فن اور شخصیت

عزیزم جسبیر پال کا اصرار ہے کہ میں ابوالخیال جان رابرٹ پال
نادؔر شاہجہاں پوری مرحوم کے مجموعۂ کلام ۔ "غرورِ تشنہ لبی" پر کچھ لکھوں
مگر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تقریظ کے فن سے قطعاً ناواقف ہوں
جو کچھ بھی ٹوٹے پھوٹے خیالات میں یہاں پیش کر رہا ہوں وہ میاں جسبیر
پال کی خواہش کی تکمیل میں ہیں ۔ ورنہ کہاں نادؔر پال شاہجہاں پوری اور کہاں
میرا افسودہ و بوسیدہ قلم ۔

جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں ۔ زیست کے پیچیدہ اور پرخار راستوں پر
روحِ آدم کے مسلسل سفر اور اربابِ شعور کی فکری تلاش و جستجو کا دوسرا نام
شاعری ہے زندگی ان ہی پُرپیچ وادیوں میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں ماضی
کے تجربات اور یادوں کے خزانے لیے انسانی تاریخ کو مستقبل کے آئینہ میں
دیکھنے کی جدوجہد کرتی ہے ۔ شاعری بھی اصنامِ ذہنی کا سہارا لیتی ہوئی تمثیل
و تشبیہ، کنائیہ، استعارہ اور علامات کے پردے میں اپنے تخیلاتی عمل کی وضاحت
کر کے محسوس کو غیر محسوس سے ہم آہنگ کرتی ہے اور جب یہی عمل فن کی عظمتوں
کی سرحدوں کو چھو لیتا ہے تو شاعری جزِ زیست ہو جاتی ہے ۔ اس میں شک
نہیں کہ غزل ایک انتہائی مقبولِ عام صنفِ سخن ہے کہ جس کی مشاطگی میں عمر صرف
ہو جاتی ہے اور پھر بھی اس کی زلفوں کی پریشانی دور نہیں ہو پاتی ۔ اس
مقبولیت کا سارا راز اس کی بے پناہ رمزیت اور ایمائیت میں پوشیدہ ہے
اس میں کتنی گہرائی اور کتنی گیرائی ہے اس محاسبہ کرنا ناممکن رہا ہے محمد علی قطب

شاہ اور ولی دکنی سے لے کر میر و غالب تک۔ اور ان حضرات سے لے کر فراق گورکھپوری تک آسمانِ اردو ادب پر غزل کی ایسی کہکشاں بکھری پڑی ہے کہ جس کی داستان کہتے نہ بنے۔ کسے خبر تھی کہ غزل، قصیدے کی تشبیب سے نکل کر ایک علاحدہ صنفِ سخن بن جائے گی۔ اور پھر آہستہ آہستہ اتنا عروج حاصل کرے گی کہ اسے اردو شاعری کی آبرو کہدیا جائے گا۔

قبل اس کے کہ "غرورِ تشنہ لبی" کے تحت، مرتب جناب نادر صاحب کے کلام پر کچھ لکھوں۔ بہتر ہوگا کہ ان کے متعلق مختصر سا تعارف پیش کر دوں۔ حالانکہ میں نے شاعر موصوف کو نہیں دیکھا۔ لیکن اہل جھانسی سے جو کچھ مجھے معلوم ہوا یا۔ خود موصوف کی خود نوشت سوانح سے جو ان کا تعارف سامنے آیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ موصوف نے انتہائی دشوار گذار حالات میں کبھی غزل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اپنی زندگی کو اسی غزل کے سنوارنے میں کھپا دیا۔

موصوف کی پیدائش قصبہ راما پور ضلع شاہجہانپور میں ۲۶ فروری ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ کم عمری میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے بڑی بے سر و سامانی کے عالم میں دونوں بھائیوں کو مشن کے یتیم خانہ میں داخل کرا دیا۔ ۱۹۰۷ء میں نادر صاحب انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ اور پھر مختلف اداروں میں درس و تدریس کا جو سلسلہ شروع کیا۔ تو آخری عمر تک وہ یہی کرتے رہے۔ تقریباً ۱۹۱۷ء میں وہ مشن مڈل اسکول نگرہ جھانسی میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اور اپنے آخری دن بھی یہیں گذار کر اسی خاک میں دفن ہوئے۔ بقول جناب۔ ای۔ جے پال نامی شاہجہان پوری جو حضرت نادر کے شاگرد تھے۔ موصوف کے ۳۸ شاگرد تھے۔ جن میں تہامیر ٹھٹھے موسلی کانپوری، فانی اکبرآبادی مس ناہید بدایونی۔ ثمر دہلوی، حافظ محمد شفیع نفیس جھانسوی (اس وقت بندیلکھنڈ کے سب سے مشہور شاعر) محمد حسن صفی کراچی پاکستان۔ وغیرہم مشہور ہیں۔ اس سے ان کی قادر الکلامی، اور استادی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

موصوف کے پیش نظر مجموعہ کلام "غرورِ تشنہ لبی" سے یہ عیاں ہے کہ غزل گوئی اپنی رفعت اسی وقت حاصل کرتی ہے جب ظاہری ومعنوی دونوں اعتبار سے اس میں پختگی پائی جائے۔ نادر مرحوم نے قدیم اساتذہ کا عمیق مطالعہ کیا اور اپنے زمانے کے مستند شعراء کو سنا بھی تھا اس لیے صحتِ زبان اور اندازِ بیان کا جہاں تک تعلق ہے ان کے کلام میں کلاسکی روایت کی پوری شان جلوہ گر ہے الفاظ کی صحیح نباضی اور محاورات کا برجستہ اور برمحل استعمال ان کے کلام کی خصوصیت ہے فرماتے ہیں۔ نادر صاحب ؎

ایک تو یوں ہی طلائی رنگ ڈھاتا ہے غضب
جن لی افشاں، اب تو سونے میں سہاگہ ہو گیا

میری دیوانگی نے چار چاند اس میں لگائے ہیں
نہ ہوتی یہ تو ترے حسن کی شہرت نہیں ہوتی

خبر کیا تھی کہ مجھ کو آٹھ آٹھ آنسو رلائے گا
میری آنکھوں سے چشمِ یار کا دو چار ہو جانا

لیکن غزل گوئی میں صرف ظاہری آراستگی سے کام نہیں چلتا۔ جب تک اس میں معنویت نہ ہو "معنویت" ایک ایسا وسیع لفظ ہے جس میں دنیا کے سارے علوم سما سکتے ہیں۔ اور باطن کے تمام راز و نیاز بھی۔ اس میں مطالعہ، مشاہدہ، احساسات، جذبات کیفیات غرض وہ تمام چیزیں جن کا تعلق حواسِ خمسہ یا ذہن و دل کے تاثرات سے ہے اسی لفظ معنویت کا مفہوم بن سکتے ہیں۔ چونکہ نادر مرحوم نے حضرت علامہ خواجہ عشرت لکھنوی کے زیر تربیت فیضان حاصل کیا۔ لہٰذا انھوں نے خود اپنے اشعار میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے ؎

خواجہ عشرتؔ کی اصلاحوں کا نادرؔ فیض ہے
ہند میں جو مستند میری زباندانی ہوئی

یا

سخن آموزیِ عشرتؔ سے نادرؔ
زبان آب ہے زبانِ میرؔ میری

یا

خواجہ عشرتؔ کا نادرؔ جب سے میں شاگرد ہوں
آشکارا ہے مری غزلوں سے رنگِ میرؔ صاف

یہ اسی کشتِ سخن کی آبیاری کا صلہ ہے کہ ان کی زبان و فکر میں پختگی نمایاں ہے ان کی شاعری میں مجموعی طور پر وسعتِ نظر بھی ہے، رنگا رنگی بھی اور گہرائی بھی صداقتوں کو فن میں ڈھالنا تخلیقی عمل کا ایک ایسا نازک مرحلہ ہوتا ہے کہ جہاں بات بننے اور بگڑنے میں دیر نہیں لگتی ہے۔ یہی مرحلہ فن پر شاعر کی اصلی گرفت اور حاکمانہ قدرت یا محکومانہ بے بسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ نادرؔ مرحوم زندگی، کائنات، سماج اور دل کے مسائل کے متعلق خلوص کے ساتھ سوچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور ایمانداری کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ عشق مجازی کی رنگا رنگ بزم آرائیاں، احساسات و عرفاں کا تنوع، نہاں خانۂ تصوف کی آفاق شکن، وسعتیں سماجی مسائل، طنز و حکمت رجائی اندازِ فکر وغیرہ ان کی غزلوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ اور یہ سب بڑے تجربات اور طویل ریاضت کا نتیجہ ہے۔ نادرؔ صاحب چونکہ اس منزل سے گذر کر آتے ہیں۔ اس لیے ان کے افکارِ عالیہ میں یہ سب بدرجہ اتم ملتے ہیں۔ ان کے متفرق اشعار میں، ان کا اظہار یوں ہوا ہے ؎

پنہاں تنزلی میں ترقی کا راز ہے
دنیا میں ہر نشیب کے آگے فراز ہے

یا

گردشِ سیارگاں سے ہے یہ ثابت صاف صاف
جس کو تو گردش سمجھتا ہے وہی ہے زندگی

یا

اپنی تقدیر کا لکھا پڑھ لے
عاقبت کی کتاب ہے دنیا

یا

منزلِ مقصود پر پہنچا۔ وہی
حرص کو جس نے شکستہ پا کیا

یا

عشق کی شانِ امتیازی ہے
پائیمالی میں سرفرازی ہے

حسنِ غزل گوئی کے متعلق نادر صاحب اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نادر نہ آئے حرف تمھاری زبان پر
وہ شعر کیا ہے جس میں فصاحت نہیں رہی

یا

کچھ بیان گل تو کچھ مذکور بلبل چاہیئے
ہر غزل میں حضرتِ نادر تغزل چاہیئے

شاعر موصوف نے مندرجہ بالا اشعار میں اپنی غزل گوئی کے بنیادی خدوخال واضح کر دیئے ہیں کہ غزل میں حسن عشق کی کار فرمائی نہ ہو تو غزل کہنا دشوار ہو گا۔ کیونکہ یہ اس کا لغوی، معنوی اور روائتی اعتبار سے خاص الخاص سرمایہ ہے۔ ان کے یہاں حسن کی مختلف کیفیتوں کا افراط کے ساتھ ذکر ہے جس سے ان کا مشاہدہ

اور قوتِ متخیلہ کی وسعت و گرفت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

پردۂ چشم میں تیرا ہی تصور نکلا
کعبۂ دل میں فقط تیری ہی صورت نکلی

یا

حسرتِ نادرؔ یہی ہے دم میں جب تک دم رہے
عشق دامن گیرِ دل ہو دل ہو دامن گیرِ عشق

نادرؔ صاحب کا یہ مجموعہ، مری نگاہ میں صداقتِ جذبات اور قلبی واردات کا مرقع احترامِ حسن اور تہذیبِ عاشقی کا آئینہ دار، درد و کرب اور سوز و ساز کا مخزن، صبر و استقامت اور جستجو و آرزو کا پیکر۔ ماحول و معاشرے کا ترجمان، رنگینئ حیات اور جمالیاتِ ادب کا امیں ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اربابِ فن "غرورِ تشنہ لبی" کو سندِ قبولیت سے سرفراز فرمائیں گے۔

ڈاکٹر۔ ایف۔ ایچ۔ رحمانی۔ پی ایچ ڈی
مجسٹریٹ۔ (فرسٹ کلاس)

سول لائنز۔ جھانسی
اگست ۱۹۸۹ء

عرضداشت

اپنے دادا مرحوم جناب جان رابرٹ پال نادر کے ذریعہ تخلیق کی گئی غزلوں کا دیوان کا مسودہ پورے خاندان میں ایک متبرک اثاثے کی مانند ان کے انتقال ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء سے اب تک تقریباً ۲۶ سال سے محفوظ چلا آرہا تھا۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح مرحوم کے اس شکوہ کا سد باب کیا جا سکے جس کا تذکرہ انھوں نے عالی جناب ڈی۔ اے۔ رہبر قیس قربان مرادآبادی کو لکھے گئے خطوط میں کیا تھا کہ۔

"اگر میں مسلمان ہوتا تو میرا دیوان کب کا شائع ہو گیا ہوتا۔"

"میرا دیوان اب میرے ساتھ مر جائے گا۔ اس طرح میں ڈبل ڈیتھ (DOUBLE-DEATH) مر جاؤں گا۔"

خدا نے مجھے بھی اپنے مرحوم دادا جان کی مانند تھوڑا بہت ادبی شعور بخشا ہے لیکن بد قسمتی سے میری زبان ہندی تھی۔ اور مرحوم کا دیوان اردو زبان میں تھا۔ لیکن جب کسی کام کے ہونے کا وقت آجاتا ہے تو ساری دقتیں اپنے آپ حل ہو جاتی ہیں۔ ماہ جنوری ۱۹۸۹ء میں جھانسی میں مرحوم شاعر جناب تپش مین پوری کے کلام کی اشاعت اور اس کی رونمائی سے جھانسی کے ادبی حلقوں میں ایک تحریک سی پیدا ہوئی۔ اور جناب ڈاکٹر رحمانی صاحب کے ذریعہ مجھے یہ راستہ ملا کہ میں باندہ کے جناب احسان آوارہ صاحب ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر کے پاس جاؤں اور سارا کلام ان کے سپرد کر آؤں۔ وہی اس کو مرتب کر دیں گے کیونکہ سارے کلام کا انتخاب اور اس کا مرتب کرنا بھی ایک فن ہے۔ جو ہر کسی دنا کس کے بس کی بات نہ تھی۔ میں بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے ایک اردو داں دوست عزیز صدیقی صاحب کے ہمراہ باندہ جا کر جناب آوارہ صاحب کے سپرد موصوف کا سارا کلام کر آیا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نہ صرف میرے مرحوم دادا جناب نادر صاحب کی تمنائیں

بلکہ میری اپنی دیرینہ خواہشات کی تکمیل جناب احسان آوارہ کے ذریعہ ہو سکی۔ اور مرحوم کے کلام کا ایک نمائندہ انتخاب بہ عنوان "غرورِ تشنہ لبی" آپ حضرات کے سامنے پیش کرتے ہوئے مجھے فخر ہو رہا ہے، اپنے بزرگ اعلیٰ جناب جان رابرٹ پال نادر صاحب کی ذات گرامی پر، ان کی شعری کاوشوں پر، اپنے کرم فرما، جناب احسان آوارہ اور ان کے استاد جناب شیو پرشاد برگ (برگ اکاڈمی) کی پر خلوص اور بے لوث خدمات پر جو اردو زبان و ادب کی خاطر وہ کرتے ہیں اور جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے۔

میں اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ عہد بھی کر رہا ہوں کہ میں اردو زبان پڑھنے اور اپنے دادا مرحوم کے دیوان کا صحیح لطف اٹھانے کی خاطر ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اور ممکن ہوا تو مرحوم کے نام سے، ایک ادارے کو بھی اہل خلوص کی امداد سے قائم کروں گا۔ کہ بعد مرگ بھی دادا جان کا فیض جاری رہے خدا مجھے حوصلہ بخشے آمین

اس ضمن میں میرے چچا جناب بائرن کمفرٹ پال نے جس طرح حوصلہ افزائی فرمائی وہ بھی میری خاطر باعث عزت و افتخار ہے

میں آخر میں جناب حافظ نفیس۔ جھانسوی، جناب ہما میرٹھی، جناب ڈاکٹر رحمانی صاحب، و نیز جھانسی کے تمام شعراء کرام کا شکر گزار ہوں کہ ان کا تعاون مجھے دستیاب رہا۔

مجھے یقین ہے کہ اب میرے دادا مرحوم کی روح کو یقینی طور پر سکون ملا ہو گا۔ اور ایک بزرگ شاعر کے ذریعہ بندیلکھنڈ ایسے بے آب و گیاہ علاقے میں کی گئی ریاضت کو اردو حلقوں میں قبول عام کی سند حاصل ہو گی۔

نیاز مند خادم

جیسپر آر۔ پال

سیپری بازار۔ جھانسی

مورخہ ۲۱ جون ۱۹۸۹ء

غزلیں

○

ہوا جب حمد میں یہ مطلع دیواں رقم میرا
ادب سے سر بسجدہ ہو گیا پہلے ۔ قلم میرا
جو سر خم ہو تو سجدہ ہی میں یارب سر ہو خم میرا
قدم اٹھے تو تیری راہ میں اٹھے قدم میرا
جو تیری چشمِ رحمت ہو تو دم کے دم میں ہو جائے
بہشتِ و خلد و عرش و کرسی و لوح و قلم میرا
تو ہی ہے یا خدا بس ناخدا بحرِ حوادث میں
نہیں ہے آشنا کوئی درین دریائے غم میرا
بوقتِ جاں کنی لب پر ترا ہی ذکر جاری ہو
ترا ہی دم بھروں جب تک رہے قالب میں دم میرا
بظاہر گو نہیں کشکول بھی ہے پاس اے نادر
بباطن شیشہ دل بھی ہے رشکِ جامِ جم میرا

○

خدا کی بخششوں کا شکر یہ کیونکر کروں نادر
طلب جو کچھ کیا میں نے کہیں اس سے سوا پایا

●

○

بشر کیوں کر لکھے شانِ مسیحا
خدا جب ہے ثنا خوانِ مسیحا
زمانہ غم پہ غم دے تو بھی خوش ہوں
کہ جان و دل ہیں قربانِ مسیحا
بھلا سکتا نہیں میں بھول کر بھی
خدا کا حکم فرمانِ مسیحا
مرے حق میں ہیں مرگ و زیست یکساں
بہر عالم ہوں مہمانِ مسیحا
فنا ہو گی نہ میری جان مر کر
مرے بدلے گئی جانِ مسیحا
نہ غم کھا آئے دن روزی کا نادرؔ
کھلائے گا تجھے خوانِ مسیحا

○

تجھے ہر رنگ میں دیکھا مگر سب سے جدا پایا
نہ تجھ سا دوسرا دیکھا نہ تجھ سا دوسرا پایا

عبادت کیا ہے رسم بندگی کیا
بشر پوری کرے رب کی خوشی کیا
تڑپ جس میں نہ ہو وہ زندگی کیا
لگی دل میں نہیں تو دل لگی کیا
جو تو دے گا وہ لے لوں گا۔ الٰہی
گدا ہوں میں ترا۔ میری خوشی کیا
دلِ بدظن تو ہی ہے تنگ دامن
نہیں تو رب کی رحمت میں کمی کیا
مقرب یہ وہ معتوب۔ الٰہی
دگرنہ دوزخی کیا۔ جنتی۔ کیا
میری جانب کبھی تو ہو۔ توجہ
بھلا ایسی کبھی مجھ سے بے رخی کیا
ہر اک دنیا کے دل میں ہے پڑوسی
شناسا کیا عدو کیا، اجنبی کیا
اگر دل ہے تو دل سوزی کیا کر
جو انسان ہی نہیں وہ آدمی کیا
کسی کا پردہ ہی کھولے جو نادر
وہ سودا کیا وہ جوشِ بے خودی کیا

○

جس نے اس دلربا کو دیکھ لیا
اس نے شانِ خدا کو دیکھ لیا
دل کو رہنے لگی۔ پریشانی
جب سے زلفِ دوتا کو دیکھ لیا
آہ پہنچی نہ ان کے کانوں تک
خوب بخت رسا کو دیکھ لیا
دل لگا کر کسی ستم گر سے
جیتے جی ہی قضا کو دیکھ لیا
غم سے بے موت مر رہا ہوں میں
بس دوا اور دعا کو دیکھ لیا
اس کے لب پر گلہ نہ آئے گا
جس نے رب کی رضا کو دیکھ لیا
طرفہ لکھی ہے یہ غزل نادر
تیری طبع رسا کو دیکھ لیا

○

گر جیتے جی ہی وصلِ دل آرام نہ ہوگا
مرقد میں پسِ مرگ بھی آرام نہ ہوگا
دل کھول کے لے توڑ مرے دل پہ قیامت
جب تک ہے فلک سر پہ ترا نام نہ ہوگا
قاصد انھیں لے آ کہ مجھی کو وہاں لے چل
خالی تری باتوں سے میرا کام نہ ہوگا
سمجھاؤں گا کیوں کر دلِ بیتاب کو کل تک
گر جلوہ ترا آج سرِ بام نہ ہوگا
گریاں کوئی شیشہ بھی نہ ہوگا مری مانند
گردش میں مری طرح کوئی جام نہ ہوگا
کہنے کو ہزاروں ہیں ترے چاہنے والے
نادر سا مگر بندۂ بے دام نہ ہوگا

ستم کو ہی کرم سمجھا کئے ہم عشق میں نادرؔ
پڑا جو داغِ غم دل پہ اسے دل کا کنول جانا

○

ارے دل یار سے چشمِ وفا کیا
شکایت کیا ہے شکوہ کیا گلا کیا
بکھرے بیٹھے ہو ناحق بخرِ دول سے
ذرا یہ تو کہو تم کو ہوا کیا
حسین تو ہو مگر تم میں نہیں ہے
مروت کیا، عنایت کیا، وفا کیا
غبارِ کوچہ؛ دلدار ہوں۔ میں
اڑائے گی مجھے بادِ صبا کیا
یہ کس کے سوگ میں بکھرے ہیں گیسو
ذرا کہیئے تو ہے یہ ماجرا کیا
نہ نکلی کوئی کبھی اے وائے قسمت
تمنائیں مرے دل میں ہیں کیا کیا
تمھارا لطف ہو تو خیر ورنہ
ہماری آرزو کیا مدعا کیا
عبث جاتے ہو تم کعبہ کو نادر
نہیں کاشانۂ دل میں خدا کیا

○

○

فلکِ بدگماں نہ دیکھ سکا
یہ مجھے شادماں نہ دیکھ سکا
اس نے تنکے ہی مجھ سے چنوائے
باغ میں آشیاں نہ دیکھ سکا
آنکھیں رکھتے ہوئے بھی ہیں یاں نہ
تیرا ہی آستاں نہ دیکھ سکا
آگیا خود مری تسلی کو
جب وہ آہ و فغاں نہ دیکھ سکا
رات محفل میں جل گیا دشمن
میرا سوزِ بیاں نہ دیکھ سکا
آہیں نکلیں تو رک گئے آنسو
کارواں، کارواں نہ دیکھ سکا
دیدہ و دل میں بھی انھیں رکھ کر
معترف ہوں کہ ہاں نہ دیکھ سکا
کیا عجب مر کے دیکھ لوں نادرؔ
گو اُسے میں یہاں نہ دیکھ سکا

○

○

ضبط کی طاقت نہیں لے ہات میں خنجر اٹھا
آج ہی کرنا ہے جو اس کو نہ اب کل پر اٹھا
گر کسی پردہ نشیں کی آرزوئے دید ہے
رنج و غم، جور و ستم پہلے دلِ مضطر اٹھا
سر فروشی کی بدولت سرفرازی مل گئی
تن سے گرتے ہی لیا قاتل نے میرا سر اٹھا
ناز ہو کیوں کر نہ اپنی ناتوانی پر مجھے
آستانِ یار پر ٹک کر نہ اپنا سر اٹھا
میں وہ سرگشتہ ہوں، رکھا جب بیاباں میں قدم
پیشوائی کو بگولہ باندھ کے چکر اٹھا
اشتیاقِ دیدِ جاناں میں وفورِ ضعف سے
پردۂ در کی طرح اکثر گرا اکثر اٹھا
دب نہ جانا سخت منزل ہے عدم آباد کی
بارِ عصیاں اس قدر نادان نہ تو سر پر اٹھا

○

پردہ ہی پردہ میں تم نے کیا تماشا کر دیا
خود بھی رسوا ہو گئے مجھ کو بھی رسوا کر دیا
نیچی نظروں سے جو ساقی نے اشارہ کر دیا
میکدے والے پکارے حشر برپا کر دیا

غم نہ تھا جب میں نہ تھا جب میں ہوا تو غم ہوا
میری ہستی نے غم عالم کو پیدا کر دیا
کس زباں سے ہو گلہ بے گانگیٔ دہر کا
شکر ہے اس نے مجھے تیرا آشنا سا کر دیا
آپ کیا آئے مسیحا موت آئی شکر ہے
آپ نے اچھا مریض غم کو اچھا کر دیا
خود پشیماں ہوں کہ ان سے کیوں کہا احوال دل
قہر تو یہ ہے کہ اظہار تمنا کر دیا
ٹیس سی کیسی دل ازار میں ہونے لگے
سخت حیراں ہوں نگاہ یار نے کیا کر دیا
ضبط غم اتنا کیا گویا زباں منہ میں نہ تھی
میری خاموشی نے بڑھ کر خود ہی چرچا کر دیا
میں نہ مانوں گا کہا ناصح نہ سمجھاؤ مجھے
اس دل بیتاب نے اب تو کسی کا کر دیا

ہم کو جینے کا آسرا نہ رہا
دردِ دل قابلِ دوا نہ رہا
تم خفا ہو کے جاؤ۔ تو جاؤ
کیا ہمارا خدا، خدا نہ رہا
سر اترنے کی کچھ نہیں پروا
تیغ قاتل کا تو گلا نہ رہا
پاس جب سے شریکِ حال ہوئی
دل میں کوئی بھی مدعا نہ رہا
کیوں جفائیں کبھی چھوڑ دیں تم نے
کیا کوئی شیوۂ جفا نہ رہا
رخنہ انداز ہے عدو جب سے
ان سے ملنے کا راستا نہ رہا
صدقے جاؤں نہ کیوں تصور کے
آپ سے میں کبھی جدا نہ رہا
کس بھروسے پہ میں جیوں ناذر
یار اب مائلِ وفا نہ رہا

○

سبق سکھلائے گا پھر مجھے ترکِ محبت کا
کوئی پیرا تو کرلیں آپ پہلے اپنی صورت کا

تعلق اس قدر گہرا ہے ان سے میری الفت کا
جھلک آیا ہے رخ پر رنگ میرے خونِ حسرت کا

یہاں تو ایک پل بھی کل نہیں پڑتی ہے فرقت میں
ستم ہے آپ نے وعدہ کیا بھی تو قیامت کا

ہجوم نامرادی باعثِ تشویشِ خاطر ہے
نکل جائے نہ دم گھٹ گھٹ کے یارب میری حسرت کا

وہ آئینہ میں صورت دیکھ کر بھر لائے ہیں آنسو
خیال آیا ہے شاید آج انھیں میری محبت کا

اٹھا رکھا ہے اس نے وعدہ دیدار محشر پر
ستمگر کو جواب آیا بھی تو نادر قیامت کا

○

نادر مراد دل کوئی پوری نہ ہو سکی
مسدود اپنے واسطے بابِ الدعا ہے کیا

○

ظلم جو بھی آپ نے چاہا کیا
ہم نے کب منھ کھول کے شکوہ کیا
پاؤں پکڑے خاکِ کوئے یار نے
جب ارادہ ہم نے صحرا کا کیا
صاف کہتا ہوں ملوں گا خاک میں
دل جو مجھ سے آپ نے میلا کیا
دل جو لیتے ہو تو لے کے دیکھ لو
پھر نہ کہنا دم دیا۔ دھوکا دیا
سر دھری جب دکھائی یار نے
سوزِ فرقت نے ہمیں ٹھنڈا کیا
وہ تو شانہ کرنے میں مشغول تھے
صورت آئینہ میں دیکھا کیا
کس طرح سوجھے بھلا انجام کار
عشق نے نادر ہمیں اندھا کیا

○

کبھی گلشن میں تو آیا تو ہوتا
گل ولالہ کو شرمایا تو ہوتا
سوال وصل پر کیوں چپ لگا لی
ذرا کچھ منھ سے فرمایا تو ہوتا
ملاقات ان سے ہوتی یا نہ ہوتی
ارے قاصد گیا آیا تو ہوتا
نہ ہوتا اور کچھ جنت میں لیکن
تری دیوار کا سایا تو ہوتا
خضر کیا لطف عمر جاوداں میں
مزا مرنے کا کبھی پایا تو ہوتا
ہمارے قتل میں عجلت عبث کی
تہ شمشیر تڑپایا تو ہوتا
عجب کیا دم میں آجاتے وہ نادر
کسی دن ان کو بہکایا تو ہوتا

○

○

آرزو دل کی وہ بعد از مرگ بر لائیں گے کیا
جب سر بالیں نہ آئے قبر پر آئیں گے کیا
کنج عزلت میں کٹی ہے عمر اپنی اے فلک
دیکھ کر ہم گوشۂ تربت کو گھبرائیں گے کیا
بے محابا جاں نثاروں کو جو کر دیتے ہیں قتل
وہ ہماری جان لے کر دل میں پچھتائیں گے کیا
کیوں ڈراتے ہیں ہمیں تیغ ستم چمکا کے آپ
دھمکیوں سے عاشق جانباز ڈر جائیں گے کیا
مال و دولت گر مقدر میں نہیں تو غم نہیں
ساتھ اپنے لائے تھے کیا ساتھ لے جائیں گے کیا
زندگی بھر ہاتھ جب کھینچے رہے ہم دہر سے
بعد مرنے کے لحد میں پاؤں پھیلائیں گے کیا
ہم نے مانا نادرِ نادار ہم مر جائیں گے
یہ ہمارے شعر بھی دل سے اتر جائیں گے کیا

○

O

جس دن مرے بدن سے دم زار جائے گا
دل کا ملال جان کا آزار جائے گا
سمجھے تھے دل کے آنے کو ہم دل لگی فقط
کس کو خبر تھی آ کے نہ زنہار جائے گا
شادی ہے جس کا نام نہ پائے گا تو کبھی
دریائے رنج و غم کے اگر پار جائے گا
تختے پہ جو چڑھے گا ملے گا اسی کو تخت
سردار ہے وہی جو سر دار جائے گا
میداں مار لے گا جو کھیلے گا جان پر
جیتے گا بس وہی جو یہاں ہار جائے گا
جب تک ہے سانس غم سے رہائی محال ہے
سر تن سے جائے گا تو سر اک بار جائے گا
مرنے سے پیشتر ہی تو مر جا تو خوب ہے
کیا جائے گا جو چھوڑ کے گھر بار جائے گا
نادر وہ دن کبھی دور نہیں تو یہاں سے جب
کاندھوں پہ چڑھ کے چار کے ناچار جائے گا

O

یہ تو نہیں کہ سینے میں اب دل نہیں رہا
دل تو ہے تیری نذر کے قابل نہیں رہا

مجنوں تڑپ کے لوٹ گیا فرش خاک پر
پیشِ نظر جو پردۂ محمل نہیں رہا

پہنچا ہوں لوٹ پوٹ کے میں کوچے یار تک
قائم نشانِ جادۂ منزل نہیں رہا

وہ نامراد ہوں کہ اجل پوچھتی نہیں
میں تم پہ مر کے جینے کے قابل نہیں رہا

جوشِ جنوں میں بھول گیا خود کو بھی مگر
دم بھر تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

آتے جو وہ کبھی تو یہ رنگت تو دیکھتے
حیف آنسوؤں میں خون کبھی شامل نہیں رہا

اللہ پر نظر ہے بتوں سے لڑی ہے آنکھ
میں اپنے فرضِ عین سے غافل نہیں رہا

کوئی تو داد دے گا تجھے نادر حزیں
کیا شاعری میں کوئی بھی قابل نہیں رہا

کئے قرار مگر بے قرار ہی رکھا
ہمیں تو آپ نے امیدوار ہی رکھا
پس فنا بھی فلک نے غبار ہی رکھا
نہ رکھی خاک نہ سنگ مزار ہی رکھا
کسی کے درد جدائی نے ہم کو جیتے جی
مثال ابر سیہ اشکبار ہی رکھا
میں تیغ یار کا کیوں کر نہ دم بھروں جس نے
مزے خلش کے دیئے دل فگار ہی رکھا
ملا نہ چین کبھی ہم کو خاک ہو کر بھی
فلک ستم کش نے صبا پر سوار ہی رکھا
خیال عارض رنگیں نے روز آ آ کر
خزاں میں بھی ہمیں محو بہار ہی رکھا
کسی کی چشم مکیف نے کیا کہیں نادر
تمام عمر ہمیں بادہ خوار ہی رکھا

گو میں تو جان و دل سے فدا کار ہی رہا
لیکن تو میرے درپئے آزار ہی رہا
چھوٹی نہ روح کا کل جاناں کے پیچ سے
مرنے کے بعد بھی میں گرفتار ہی رہا
دیکھا نہ یار نے کبھی چلمن سے جھانک کر
گو ساری عمر میں پس دیوار ہی رہا
گو جاں و دل سے میں نے وفا کی جفا سہی
پھر بھی وہ میرے نام سے بیزار ہی رہا
آنکھوں نے گو جواب دیا انتظار میں
پھر بھی میں ان کا طالب دیدار ہی رہا
یارب ترے کرم نے کیا کون سا کرم
گر میں گناہ کر کے گنہگار ہی رہا
پالوں کو سر پہ رکھ کے ہوا ہو گئے عدو
مقتل میں صرف نادر نادار ہی رہا

غلام میں تو مثالِ ایاز ہو کے رہا
تو مجھ سے پھر کبھی مگر بے نیاز ہو کے رہا
جب اپنا زخم ہی دامن دراز ہو کے رہا
مری بلا سے جو تو چارہ ساز ہو کے رہا
یقین جس کو نہیں کچھ خدا کی رحمت کا
مثالِ شیخ وہی پاک باز ہو کے رہا
انھیں جو حشر میں دیکھا نکل پڑے آنسو
کہاں نصیب سے افشائے راز ہو کے رہا
غمِ فراق سے ہم کب کے مر گئے ہوتے
ترا خیال مگر دل نواز ہو کے رہا
کبھی نمک بھی نہ چھڑکا ہمارے زخموں پر
زمانے بھر کا مگر چارہ ساز ہو کے رہا
سمجھ سکا نہ جب اپنی حیات کے معنی
رہا بھی کیا جو تو آگاہ راز ہو کے رہا
اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا مجھے کبھی اس نے
میں شکلِ روزنِ در دیدہ باز ہو کے رہا
بگڑ بگڑ کے بھی بن بن گئی مری نادر
مدام فضل خدا کارساز ہو کے رہا

جادو یہ کون سا نگہہ یار کر دیا
اچھا بھلا تھا میں مجھے بیمار کر دیا
جب سے گرا دیا ہے نگاہوں سے آپ نے
مجھ کو مری نگاہ میں بھی خوار کر دیا
کہہ دی وہ ان سے بات جو کہنا نہ تھی مجھے
یعنی کہ رازِ عشق کا اظہار کر دیا
دشمن کے رحم سے بھی سفارش طلب ہوں میں
اتنا فراقِ یار نے ناچار کر دیا
یہ تو کہو کہ کس کے سہارے سے میں جیوں
اقرار کر کے تم نے تو انکار کر دیا
آسان ہو گئیں ہیں جدائی کی مشکلیں
کیا خوب تم نے خوگرِ آزار کر دیا
یارب لکھیں تھیں گر مری قسمت میں سختیاں
پھر کیوں نہ مجھکو سنگِ دریا کر دیا
نادر یہ سچ ہے راتوں کو ٹپکا کے خونِ دل
بیٹھے زمینِ شعر کو گلزار کر دیا

○

مانگنا کام مجھ سوالی کا
بخشنا تیری ذاتِ عالی کا
کیوں گرایا ہے اپنی نظروں سے
حکم کر دے مری بحالی کا
تو ہی وہ پھول ہے جو ہے محبوب
پتے پتے کا ڈالی ڈالی کا
بات جو بھی کہو وہ صاف کہو
کام کیا فضل احتمالی کا
جل بجھوں گا بھڑک کے دم بھر میں
میں ہوں گویا دیا ۔ دوالی کا
نادر ایسا کلام ہے میرا
صاد ہے جس پہ لازوالی کا

○

فقط اشعار سے باقی رہے گا نام دنیا میں
نشاں تک یوں تو مٹ جائے گا نادر اپنے مدفن کا

○

○

جس کسی کو بھی تم نے پیار کیا
در در اس کو ذلیل و خوار کیا

رحمتِ حق تیرے بھروسے نے
ہم کو بے تنگ گناہگار کیا

تجھ سے سرگوشیاں فضول سہی ہیں
جب رقیبوں کو راز دار کیا

سر تسلیم خم ہے اپنا بھی
ظلم اگر تم نے اختیار کیا

اس نے آخر کو جان بھی لے لی
جس ستم گر پہ دل نثار کیا

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں اے نادر
کس کے غم میں یہ حال زار کیا

○

دم آخیر تو کر دست گیری نادر
جواب بھی دل نہ ملے ہات ہی ملائے جا

○

○

قیامت ہے کسی کے عشق کا ازار ہو جانا
خبردار اے دل ناداں نہ تو بیمار ہو جانا
جنازہ جب اٹھے میرا نہ ساتھ اے یار ہو جانا
نہ رسوا میرے ماتم میں سر بازار ہو جانا
اگر آنکھیں لڑائی ہیں ملا لو دل سے دل کو بھی
گلے مل جاؤ میرے پھر پس دیوار ہو جانا
امید دید جاناں مجھ کو مرنے کبھی نہیں دیتی
محبت میں کوئی دیکھے مرا ناچار ہو جانا
خبر کیا تھی کہ مجھ کو آٹھ آٹھ آنسو رلائے گا
مری آنکھوں سے چشم یار کا دو چار ہو جانا
فدا کرنے کو دل ہم بھی لیے بیٹھے ہیں سینے میں
ادھر کو بھی ذرا تیر نگاہ یار ہو جانا
اگر اس بے وفا سے عشق کرنا ہے تمھیں نادر
تو پہلے سر کٹانے کے لیے تیار ہو جانا

○

○

جس وقت بھی زبان پہ تیرا نام آگیا
فوراً ہی قلب زار کو آرام آگیا
پہلو میں اب نہیں ہے تو آرام آگیا
اچھا ہوا جو عشق میں دل کام آگیا
روٹھا نہ جانیئے اسے روٹھا نہ جانیئے
وقتِ سحر گیا جو سرِ شام آگیا
جوشِ جنونِ عشق میں غم ہے تو غم یہ ہے
وحشت سے میری آپ پہ الزام آگیا
افشائے راز ہو گیا ہونٹوں سے کیا کہوں
نام اپنا لے رہا تھا ترا نام آگیا
نادر ترے سخن سے ٹپکتا ہے اب یہی
شاید تری زبان پہ الہام آگیا

○

روتے ہیں آپ کس لیے نادر کی لاش پر
یہ تو خوشی کی بات ہے وہ اپنے گھر گیا

○

آپ کی جلوہ نمائی سے بڑھی توقیر خواب
ہو گیا معلوم ہم کو خواب ہے تاثیر خواب

ان کو سینے سے لگا رکھا تھا ہم نے رات بھر
کیوں نہ بیداری سے بڑھ کر ہو ہمیں توقیر خواب

غیر کے مہماں ہوتے کل کی شب دیکھا انھیں
جاگ اٹھے قسمت مری الٹی جو ہو تعبیر خواب

صورت ان کی جب سے دیکھی ہے یہ نقشہ ہو گیا
میری آنکھوں میں کھنچی رہنے لگی تصویر خواب

پاؤں پھیلا کر شب فرقت میں سو سکتا نہیں
بن گیا ہے پیچ گیسو حلقۂ زنجیر خواب

دم میں کرتی ہے گدا کو شاہ اور شہ کو گدا
گردش قسمت سے ملتی جلتی ہے تاثیر خواب

گھر بنا کر کیا کروں نادر میں شب بھر کے لیے
میری نظروں میں ہے تعمیر جہاں تعمیر خواب

آنکھوں سے چومنے کو نہیں وہ قدم نصیب
پھوٹے ہوئے ہیں میرے مقدر، کرم، نصیب
کیوں سر کو پتھروں سے نہ پھوڑوں فراق میں
تقدیر سے نہیں ہے وصال صنم نصیب
داغ جگر کی وجہ سے، رہتا ہے دل غنچے
یوں تو جہاں میں ہم کو نہیں اک درم نصیب
نخوت سے وہ زمین پہ رکھتا نہیں قدم
جس خوش نصیب کو ہیں تمھارے قدم نصیب
وقت وصال بھی ہے مجھے فکر ہجر کی
مجھ سا نہیں ہے کوئی زمانے میں غم نصیب
خاموش ہوں میں عشق دہان نگار میں
گویا وجود ہی میں ہے مجھ کو عدم نصیب
نادر فراق یار میں جیتا ہوں اس لیے
سم بھی جسے نصیب نہیں ہوں وہ کم نصیب

○

گرمی دکھائے مجھ کو بھلا کیوں کر آفتاب
لرزاں جب آہِ سرد سے ہے تھر تھر آفتاب
گر طالبِ عروج ہے سینے کو صاف کر
فرشِ زمیں پہ ذرہ ہے گردوں پر آفتاب
کس ماہِ سرد مہر کا رنجِ فراق ہے
سرگرم جستجو ہے جو یوں گھر گھر آفتاب
تقدیر تیرہ قلب ہے بیچا ہی دیکھنا
زیر قدم ہے سایہ مگر سر پر آفتاب
میری نظر سے تو جو نہاں ہے تو کیا عجب
پھرتا ہے کھوج میں ترے جب در در آفتاب
تم بھی نقاب الٹ دو رخ پر جلال سے
بے پردہ ماہتاب ہے بے چادر آفتاب
نادرؔ اگر دکھاؤں کبھی داغِ دل اسے
کر دے جہاں میں حشر بپا چھپ کر آفتاب

○

○

آج پھر اٹھنے لگا درد جگر آپ سے آپ
پھر ہوئے اشک فشاں دیدۂ تر آپ سے آپ
کیوں دمِ مرگ لوں احسانِ ہمیمبر سر پر
ہو ہی جائے گی انھیں میری خبر آپ سے آپ
دیکھتے دیکھتے یہ حسن اتر جائے گا
جس طرح چرخ پہ گھٹتا ہے قمر آپ سے آپ
بند کر آنکھ اگر طالب دیدار ہے تو
آ ہی جائے گا۔ خدا تجھ کو نظر آپ سے آپ
ضد تو دیکھو کہ شبِ وصل وہ جب بھی آئیں
بول اٹھتا ہے وہیں مرغِ سحر آپ سے آپ
جذبۂ دل جو سلامت ہے تو کھنچے کھنچے
آ ہی جائے گا وہ کافر مرے گھر آپ سے آپ
دل ہی مغموم ہے کیا شعر لکھوں اے نادر
اڑ گیا ہے وہ پری جانے کدھر آپ سے آپ

○

نہ ہوا اے دل تو بیمارِ محبت
نہیں جاتا ہے آزارِ محبت

زباں تک کھینچ لے ظالم تو لیکن
کروں گا میں نہ انکارِ محبت

وہ اپنی بے نیازی پر ہیں نازاں
کروں کس منہ سے اظہارِ محبت

وہی فردوس کے حق دار ہوں گے
یہاں جو ہیں گنہگارِ محبت

پس از قیدِ حیاتِ عارضی بھی
نہ چھوٹیں گے گرفتارِ محبت

خدا کے سامنے بھی بے شعوری میں
رہے گا لب پر اقرارِ محبت

زمین و آسماں سر پر اٹھا لوں
مگر اٹھتا نہیں بارِ محبت

چھپاؤ لاکھ بھی تم ہم سے نادرؔ
کہیں چھپتے ہیں آثارِ محبت

○

کیوں اٹھاتا ہے ہمیں اے پاسبان کوئے دوست
ہم نے مٹ مٹ کے تو پایا ہے نشان کوئے دوست
میں تو اس کافر کے ظل عاطفت سے دور ہوں
کیوں ستاتا ہے مجھے پھر آسمانِ کوئے دوست
اک اسی کے کان تک جاتی نہیں میری فغاں
شب کو اٹھ اٹھ بیٹھتے ہیں ساکنانِ کوئے دوست
حشر پا اب حشر اٹھے ہم نہ اٹھیں گے کبھی
اب تو مر کر ہی چھٹے گا استانِ کوئے دوست
میں تو کیا نادر دبیر چرخ آ جائے اگر
غیر ممکن ہے کہ اس سے ہو بیانِ کوئے دوست

○

گر کافر منکر کبھی پڑھے گا تو کہے گا
نادر ترا ہر لفظ ہے دیوانِ محبت

○

کسی کا عارضِ پر نور نادر جب سے دیکھا ہے
نہیں جچتی نظر میں مہر عالم تاب کی صورت

○

نظر آئی ہے جب سے نرگس دلدار کی صورت
لگی ہیں چھت سے آنکھیں مردم بیمار کی صورت

جواب کہکشاں کر دوں گا ظالم تیرے کوچے کو
دکھا دوں گا تجھے بھی آہ شعلہ بار کی صورت

عزیزو اس تردد سے تسلی غیر ممکن ہے
نکالو کوئی تسکین دل بیمار کی صورت

عجب الٹا زمانہ ہے لگایا جس کو سینے سے
وہی ہم سے کشیدہ ہو گیا تلوار کی صورت

جو وہ آنکھیں دکھا دے تو مجھے آرام ہو جائے
دکھاتے گو نہیں بیمار کو بیمار کی صورت

ملا دیں خاک میں دشمن کہ افتاد آسمان ڈالے
بگڑ سکتی نہیں مجھ نادر نادار کی صورت

گل خوش رنگ ہیں سب لفظ نادر
نکالی شعر کی اچھی زمیں آج

○

مر کے جاتے ہی ملی آفاتِ ہجراں سے نجات
دردِ دل سے دردِ سر سے دردِ پنہاں سے نجات

مجھ سے بڑھ کر روسیہ ہوگا نہ کوئی دہر میں
توبہ توبہ مانگتی ہے مجھ پشیماں سے نجات

اے اجل میرے گلے میں تو ہی باہیں ڈال دے
مر کے ہی مل جائے مجھ کو طوقِ ہجراں سے نجات

عقدۂ زلفِ صنم لا حل ہے حل دم بھر میں کر دوں
دستِ وحشت کو جو ہو تارِ گریباں سے نجات

جیتے جی تو کیا ملے بعدِ فنا شائد ملے
مجھ کو قیدِ غم سے مرے دل کو ارماں سے نجات

پانی پانی شرم سے ہو جائے گی آتش وہیں
میرا تر دامن ہی دے گا نارِ سوزاں سے نجات

خوف کیا جو عمر بھر نادر کیئے کارِ زبوں
روزِ محشر مانگ لوں گا روکے یزداں سے نجات

○

بدل دے اب تو یارب اس بت بے پیر کی عادت
لہو رو رو کے بدلی ہے دلِ دلگیر کی عادت
تمھیں منھ کھول کر جب مجھ سے باتیں کر نہیں سکتے
تو پھر کیوں کر نہ چپ رہنے کی ہو تصویر کی عادت
تمھاری زلفِ پیچاں نے کوئی تو پیچ ڈالا ہے
دلِ نازک کو پہلے تو نہ تھی زنجیر کی عادت
دلِ خوں گشتہ حاضر ہے، جگر حاضر ہے سر حاضر
اگر ہے خون پینے کی تیری شمشیر کی عادت
مجھے بدنام کرنا ہے دلِ بیتاب کا شیوہ
مجھے برباد کرنا ہے مری تقدیر کی عادت
تجھے نیچا دکھا دیتا میں کب کا اے فلک لیکن
مرے نالوں نے سیکھی ہی نہیں تاثیر کی عادت
ہنسی آتی ہے نادر پھر بھی اسی ڈر سے نہیں ہنستا
ذرا ہی میں بگڑ جاتی ہے چرخِ پیر کی عادت

○

عجب رکھتی ہے شمشیرِ نظر کاٹ
گئی اک وار میں قلب و جگر کاٹ

جو یوں ہی ہے تو ظالم میرا سر کاٹ
مری خاطر نہ دستِ نامہ بر کاٹ

قفس ہے خود مرا ذوقِ اسیری
مجھے تو چھوڑ دے یا میرے پر کاٹ

غم آبادِ جہاں میں غم ہی غم ہے
خوشی سے عمر اپنی اے بشر کاٹ

لگا رکھا تھا بستر جس کے نیچے
وہی گل چیں نے دی شاخِ شجر کاٹ

خدا سے گر امیدِ مغفرت ہے
کسی کا حق نہ اے بیدادگر کاٹ

مرے شعرِ دل میں وہ تیزی ہے نادرؔ
کہ دم میں دے زبانِ نکتہ ور کاٹ

○

نگاہوں سے لگا رکھا ہے کیوں سرکار کیا باعث
نہ وہ اگلی محبت ہے نہ اگلا پیار کیا باعث
مرے دل میں چبھوتا ہے تو اے گل خار کیا باعث
سم آلودہ تھی پیکان تیری تیغ تیز اے قاتل
ہرے ہیں ورنہ میرے زخم دامندار کیا باعث
تمھاری سرمگیں آنکھوں نے شاید گل کھلایا ہے
نہیں تو آج تک نرگس ہے کیوں بیمار کیا باعث
تمہیں چاہا جو نادرؔ نے تو کیا کوئی خطا کی ہے
دیئے جاتے ہو کیوں آزار پر آزار کیا باعث

نازؔ ہو کیوں نہ مقدر پہ مجھے اے نادرؔ
شاعر خوب ہوا بندۂ عشرتؔ بن کر

۱؎ علامہ عشرتؔ لکھنوی سے مراد ہے (مرتب)

ہو نہیں سکتا ہے اب بیمارِ ہجراں کا علاج
کر نہیں سکتے مسیحا دردِ پنہاں کا علاج

موت بالیں پر ہے امیدِ وفا کوسوں گئی
کر چکا بیمارِ غم جی بھر کے لقمان کا علاج

گر شبِ غم میں کلیجہ تھام کر نالے کروں
ہے یقیں دم میں ہو دورِ چرخِ گرداں کا علاج

دل ہی رکھتا ہو جو حسرت قیدِ زلفِ یار کی
کیا کروں اس رنگ کے مشتاقِ زنداں کا علاج

خاکِ پائے یار ہاتھ آئے تو میں سرمہ کروں
کیا عجب اس سے ہو میری چشمِ حیراں کا علاج

بوسۂ زلفِ یار نے دل کی مٹا دیں الجھنیں
کر دیا دم میں پریشاں نے پریشاں کا علاج

یاس جب امید بنتی ہے تو نادر ٹھیک ہے
فرطِ وحشت، وحشتِ قیس بیاباں کا علاج

ب نہ ہات اپنا تبت بے پیر کھینچ
لے مجھے جوہر دکھا شمشیر کھینچ
دیکھنا غیروں کا تنکا بعد از آں
پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر کھینچ
ان کو دکھلا دے اثر اے جذب دل
ایک دن تو عرش کی زنجیر کھینچ
دل بہلنے کی کوئی صورت تو ہو
اے تصور، یار کی تصویر کھینچ
سیکڑوں ارمان ہیں لپٹے ہوئے
میرے پہلو سے نہ اپنا تیر کھینچ
نادر اس نے رکھ لیے کانوں پہ ہات
لاکھ بھی اب آہ پر تاثیر کھینچ

خطا سے تجھ کو بچنا ہو جو نادر
تو پہلے ابتدا میں انتہا سوچ

○

لکھا ہے جب نصیب میں اے دل جہاں سے کوچ
لازم ہے پھر تو جلد کرے تو یہاں سے کوچ
پہنے ہوئے ہے سرخ کفن گل تو کیا عجب
بلبل کا ہے قفس کی طرف آشیاں سے کوچ
خالِ جبیں یار سے ہٹتی نہیں نظر
دانے کو پا کے مرغ کرے کیو وہاں سے کوچ
اے شمع تو بجھی جو ادھر دل بجھا ادھر
دونوں کا ساتھ ساتھ ہی ہوگا جہاں سے کوچ
جس کی تجھے تلاش ہے وہ مل چکا ہے تجھے
نادر نہ کر فضول تو اپنے مکاں سے کوچ

○

خدا جانے یہ کیا کیا گل کھلاتا
نہ ہوتی گر بشر کی زندگی ہیچ

○

ترے خیال کو رکھا ہے دل میں جاں کی طرح
کیا ہے فرض ادا ہم نے قدر داں کی طرح
یہی نصیب میں گردش ہے تو پس مردن
پھرے گی خاک مری گردِ کارواں کی طرح
خوشی نصیب ہو مجھ کو جو تو غمِ جاناں
مرے ہی دل میں رہے عمر جاوداں کی طرح
کسی کی سوزشِ پنہاں نے مجھ کو پھونک دیا
مثالِ شمع کبھی اف کی نہ بے زباں کی طرح
اگر ہو دل تو دلِ داغدار میرا سا
جو آنکھ ہو تو مری چشم خوں فشاں کی طرح
امید داد نہیں کیا پڑھوں غزل نادر
زباں زباں کی طرح نے بیاں بیاں کی طرح

کچھ تو ہے نادر ترے اشعار میں
جان دیتی ہے خدائی کس طرح

پہن کر جب وہ آیا پیرہن سرخ
ہوئی جل جل کے شمع انجمن سرخ

یونہی تو ایک ہے اس کا بدن سرخ
پھر اس پر گل بدن کا پیرہن سرخ

رہے رضوان کا دانت اس پر ابد تک
جو دیکھے یار کا سیب ذقن سرخ

لگائے بھول کر بھی منہ نہ گل کو
جو بلبل دیکھ لے ان کا دہن سرخ

غم لیلیٰ میں رویا خون اتنا
کیا مجنوں نے دم میں بن کا بن سرخ

پس مردن ہی قاتل سرخرو کر
پہنا دے اپنے کشتے کو کفن سرخ

کسی کا خون ناحق رنگ لایا
نہیں ہے دامن چرخ کہن سرخ

بھروں قاتل کا دم کیونکر نہ نادر
کیا ہے اس نے خنجر سے بدن سرخ

اپنی ہی وفا یاد نہ تیری ہی جفا یاد
دیوانہ ہوں، دیوانہ، دیوانے کو کیا یاد

ہم حالِ دلِ زار سنانے تو گئے تھے
وہ سامنے آئے تو ہمیں کچھ نہ رہا یاد

ایام مصیبت میں تو شکوے ہیں ہزاروں
کب عیش میں انسان کو رہتا ہے خدا یاد

بھولے سے کبھی اس کا لب شکوہ نہ کھلے گا
جس بندہ کو ہے نسخۂ تسلیم و رضا یاد

ہر غنچۂ و گل سے یہ لگاوٹ نہیں اچھی
اڑ جائے گا یہ رنگ، رہے بادِ صبا یاد

صیاد مجھے قیدِ قفس سے نہ رہا کر
اب تو نہ نشیمن نہ گلستاں کا پتہ یاد

ہاں میں ہی تو ہوں حادثۂ عشق کا ملزم
میری تو خطا یاد نہیں اپنی ادا یاد

نادر مرا آزارِ محبت جو مٹا دے
کیا ایسی دوا یاد ہے کیا ایسی دعا یاد

ان کو وفا کا شوق ہوا ہے جفا کے بعد
گریاں ہیں قبر پر ستم ناروا کے بعد
بوندیں سفید گرتی ہیں کالی گھٹا کے بعد
ملتا ہے لطف عیش بھی رنج و بلا کے بعد
سامان زندگی کا سب آپ لے چلے
ہم کیا جئینگے اب دل درد آشنا کے بعد
زاہد اذاں سنا کے نہ کر خون آرزو
مہماں ہوا ہے یار بڑی التجا کے بعد
مٹتے ہیں اس امید سے ہم ان کی راہ میں
شاید بقا نصیب ہو لطفِ فنا کے بعد
کمسن ہیں، کیا وہ جانیں ابھی راز حسن و عشق
آتے ہی آتے آئے گی شوخی حیا کے بعد
تم مجھ کو قتل کر کے پشیماں ہو گے خود
میری وفائیں یاد کرو گے جفا کے بعد
نادر تمام عمر گناہوں میں کٹ گئی
اب دیکھیں کیا مآل ہو روزِ جزا کے بعد

کیوں تجھے ہے عمرِ فانی پر گھمنڈ
چار دن کی زندگانی پر گھمنڈ
دیکھ ڈھل جائے گا سایہ کی طرح
ہے عبث حُسنِ جوانی پر گھمنڈ
گور کی بغلی نے ان کو چت کیا
جو تھے کرتے پہلوانی پر گھمنڈ
مجھ کو بھی داغِ جگر اس نے دیا
گر عدو کو ہے نشانی پر گھمنڈ
آج وہ ہیں اوروں کے ماتحت
کل تھا جن کو حکمرانی پر گھمنڈ
سیکھ کر علم و ہنر جوہر دکھا
کر نہ اونچ خاندانی پر گھمنڈ
شیخ کو ہے فخر نادر زہد پر
مجھ کو رب کی مہربانی پر گھمنڈ

خط لکھوں یار کو مل جائے جو تھوڑا کاغذ
مفلسی یہ ہے کہ ملتا نہیں پرزا کاغذ

لکھنے بیٹھا جو انھیں حال شب فرقت کا
اس قدر اشک بہے ہو گیا دریا کاغذ

اس بھروسہ پہ کہ شاید پڑے اس یار کے ہات
جب کبھی ناؔدر بہائی لیا خط کا کاغذ

خط جو لکھتا ہوں ان کو تو جواب خط میں
بھیج دیتے ہیں لفافہ میں وہ سادہ کاغذ

اس تمنا میں کہ شاید مجھے خط لکھتا ہو
ان کے کوچہ کا ہر اک غور سے دیکھا کاغذ

شکر ہے ہو تو گیا آج کلیجہ ٹھنڈا
اس نے جل کر جو مرے خط کا جلایا کاغذ

ناؔدر اس ڈر سے کہیں راز نہ افشا ہو جائے
لکھ کے خط یار کو اشکوں میں بہایا کاغذ

نہ دیکھا حالِ زار اک دن کبھی آکر
تمھیں کیا مل گیا مجھ کو مٹا کر
خدارا کچھ تو ڈھارس دیتے جاؤ
کہاں جاتے ہو دیوانہ بنا کر

ترا ملنا نہ ملنا ہے برابر
میں کھو جاتا ہوں خود ہی تجھ کو پا کر
ردائے عقل کو تہ کر کے رکھ دے
خدا کے آسرے تکیہ لگا کر

جو حالت ہے خدا ہی جانتا ہے
فراغت پا گئے ہو تم جو جا کر
نہ دیکھ اے چارہ گر تو نبض میری
دوا سے ہاتھ اٹھا لے اب دعا کر

ڈبو دے گا گداز دل کسی دن
کہاں تک روؤں گا نظریں بچا کر
نہ دیکھ اس کے گناہوں کو الٰہی
کرم سے خلد نادرؔ کو عطا کر

مثل آئینہ ہوں ششدر میں کسی کو دیکھ کر
محو خود بینی ہیں وہ تو ان کو میری کیا خبر
آپ ہنستے ہیں تو ہنسیئے صرف کہنا ہے یہی
غیر بھی روتے ہیں اب تو میری حالت دیکھکر
وہ ابھی کہتا ہے کافر پھر نہ جانے کیا کہے
دیکھ لے ناصح جو پائے دلربا پر میرا سر
گھاس پر روتی ہے شبنم آہ بھرتی ہے نسیم
ترے غم سے باغ میں روتا ہوں میں جب پھوٹ کر
میری قسمت کا لکھا تو ساتھ دیتا ہی نہیں
نامہ بر کیوں بات لکھو دوں نامہ ان کو بھیجکر
جو سرورِ غم فزا ملتا ہے تیرے ہجر میں
وہ ترے ملنے سے کبھی حاصل نہ ہوگا عمر بھر
صاف لفظوں میں ادا کرتا ہوں میں مفہوم عشق
کیا تعجب ہے جو مجھ کو داد دیں اہل ہنر
نادہر ان کے وعدہ فردا پہ ہم کیوں کر جئیں
جان دے کر آج خود کرلیں گے قصہ مختصر

○

نالہ کرنے کا ارادہ ہی دل شیدا نہ کر
پردہ رہنے دے یونہی اس شوخ کو رسوا نہ کر

کیا عجب بعد فنا ہنسنا تری قسمت میں ہو
زندگی کی بے ثباتی پر کبھی رویا نہ کر

ہو چکی تشہیر الفت ہو چکیں رسوائیاں
دیکھ اب تو طالبِ دیدار سے پردہ نہ کر

پاسِ رسوائی جاناں سے زباں خاموش ہے
درد دل اٹھ اٹھ کے تو اس بات کا چرچا نہ کر

دل کی یہ حالت کہ بے دیکھے قرار آتا نہیں
ان کی یہ ضد مجھ کو چشم شوق سے دیکھا نہ کر

چاہتا ہے تو اگر عشقِ الٰہی کا — مزا
دل کو بھولی بھالی صورت والوں پر دلوا نہ کر

دام اٹھنے کے نہیں بازار عقبیٰ میں کبھی
دیکھ نادر جنسِ عصیاں کا بہت سودا نہ کر

○

○

رنجِ فراقِ یار میں ہوں میں خوشی سے دور
جینے کو جی رہا ہوں مگر زندگی سے دور
دنیا ہی سے اٹھا دو اٹھانا ہے گر مجھے
کیونکر جیوں گا رہ کے تمہاری گلی سے دور
کچھ حال چال پوچھئے کچھ بات کیجئے
بیٹھے ہیں کب سے بزم میں ہم اجنبی سے دور
گر میں کسی کے پاس ہوں تو پاس موت کے
قسمت سے دور ہوں تو فقط آپ ہی سے دور
کھینچا کرو ہزار کبھی تم دور آپ کو
میری نگاہ سے ہو نہ ہو میرے جی سے دور
نادر تڑپ کے جان کبھی دے دوں تو کیا عجب
یہ بات کبھی نہیں مری دیوانگی سے دور

○

اک اداسی سی اداسی چھا رہی تھی ہر طرف
آج وہ بھی رو دیئے نادر کا مدفن دیکھ کر

○

کچھ لطفِ زندگی نہیں حاصل ترے بغیر
پل بھی گذارنا ہے مشکل ترے بغیر

تو ہی نہیں تو کون مری رہبری کرے
کٹتی نہیں حیات کی منزل ترے بغیر

ہوش و حواس و عقل و خرد دے گئے جواب
یعنی نہیں ہوں میں کسی قابل ترے بغیر

ہر دم یہ سوچ ہے، مرے جینے سے فائدہ
جب مقصدِ حیات ہے باطل ترے بغیر

تکمیل آرزو سے ہے تکمیل زندگی
کیوں کر ہو زندگی مری کامل ترے بغیر

کشتی نکل تو آئی ہے گرداب سے مگر
دل ڈوبنے لگا لبِ ساحل ترے بغیر

نادر کو جان دینے سے کیوں روکتا ہے تو
جینے سے بھی ہے کیا اسے حاصل ترے بغیر

سب کو ہوتا ہے جہاں میں اپنا اپنا دل عزیز
مجکو اپنے دل سے بڑھ کر ہے دلِ قاتل عزیز
نکتہ چینی گو کریں احباب ان کے حسن میں
ہے مری آنکھوں کے تل کو ان کے رخ کا تل عزیز
دیکھتا ہوں پھاڑ کر آنکھیں انھیں میں اس طرح
جس طرح گم کردۂ منزل کو ہو منزل عزیز
آشنائے بحرِ غم کو ہے اجل ہی زندگی
جس کا دل ڈوبا ہوا اس کو ہے ساحل عزیز
چاند بن کر کبھی نہیں رہتے ہو میری بزم میں
شمع بن کر کبھی ہے تم کو غیر کی محفل عزیز
ٹھیس سے رونے لگے پاؤں کے نازک آبلے
کب دلِ آساں طلب کو ہے کوئی مشکل عزیز
قتل ہو جانے کو نادرؔ میں ابھی تیار ہوں
جو مرا قاتل پکار اٹھے کہ ہے بسمل عزیز

جب کہا ان سے عبث رہتے ہو اغیار کے پاس
ہنس کے بولے کہ رہا کرتے ہیں گل خار کے پاس

جھانک لے میری طرف اب تو ہٹا کر چلمن
کب سے بیٹھا ہوں ستم گر تری دیوار کے پاس

دور سے دیکھ لوں میں آج گگوؤں کی صورت

آپ کے آنے سے جاتی ہے قضا بالیں سے
بیٹھئے بیٹھئے، کچھ دیر تو بیمار کے پاس

رکھ دے صیاد قفس کو درِ گلزار کے پاس

آئے دن اس کو کہاں تک میں لکھوں خط قاصد
پرزے لے جا تو کلیجے کے میرے یار کے پاس

داورِ حشر تہی دست نہیں ہے یہ بھی
نقد تقصیرِ عبادت ہے خطا کار کے پاس

دین و ایمان بھی لیے تونے دل و جاں بھی لیے
اور کیا خاک ہے اب نادرِ نادار کے پاس

الٰہی یار کو ڈھونڈوں کہاں کہاں افسوس
تلاش لاکھ کی ملتا نہیں نشاں افسوس
جہاں کا سیر و تماشہ ہے رائیگاں افسوس
نصیب ہی میں نہیں ہم جا ودان افسوس
جہاں پہ میری محبت کا کھل گیا پردہ
مگر تو اب بھی نگاہوں سے ہے نہاں افسوس
ہماری جان تو لیتے ہو کج ادائی سے
رہے گا اس کا مگر تم کو میری جاں افسوس
ہزار بار زمانے میں محفل گل آئی
ہرا بھرا نہ ہوا دل کا گلستاں افسوس
شب فراق میں بہر عیادت آتے ہیں
فغاں و آہ و بکا رشک دشمناں افسوس
نہیں ہے قدر کرو ترک شاعری نادر
عزیز وقت کو کھودو نہ رائیگاں افسوس

مجھے مرغوب خاطر ہو نہ کیوں کر جام کی گردش
ملی ہے اس میں چشمِ یار کے بادام کی گردش

پھرا تی ہے جو در در بختِ نافرجام کی گردش
پڑی ہے اس میں شاید چرخِ بدانجام کی گردش

ترے کشتوں کا جب سے رقص دیکھا ہے سرِ مقتل
مری آنکھوں میں پھرتی ہے تری صمصام کی گردش

رخ و گیسو کے غم میں مثلِ آئینہ پریشاں ہوں
مقدر میں لکھی ہے میرے صبح و شام کی گردش

رہے چکر میں وہ کاغذ کہ جس پر یہ لکھا جائے
یہاں تک تو اثر رکھتی ہے میرے نام کی گردش

اگر وہ کافر برگشتہ میرے گھر میں آ بیٹھے
نہ ڈالے پیچ میں نادرؔ مجھے ایام کی گردش

دیوار و در سے اپنی تقدیر پھوڑ لیں گے
سر تو نہ اپنا پہنچا اس سنگِ آستاں تک

جیتے جی کر لوں نہ کیوں صحرا کے دامن کی تلاش
تا پسِ مُردن کفن کی ہو نہ مدفن کی تلاش

اے جنوں لے چل کہ ہے ایسے گھنے بن کی تلاش
رائیگاں جائے جہاں ہر دوست و دشمن کی تلاش

جو متاعِ زندگانی لوٹ کے لوٹا بھی دے
دشتِ الفت میں ہے مجھ کو ایسے رہزن کی تلاش

تم اگر تارِ نگاہِ لطف سے کر دو رفو
کیوں مرے زخموں کو ہو جرّاح و سوزن کی تلاش

دامِ گیسو میں پھنسے ہم جب تو یہ عقدہ کھلا
از پئے دل بستگی لازم ہے الجھن کی تلاش

کر دیا ہر غم سے مستغنی جنونِ عشق نے
فکر ہے منزل کی اب نادر نہ مسکن کی تلاش

شام تک زار زار رویا ہوں
جب سے وقتِ سحر گئے ہو تم

سنگِ دہر سب کو بناتی ہے حرص
جہاں میں عجب گل کھلاتی ہے حرص
بہت ابتدا میں ہنساتی ہے حرص
پھر آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے حرص
عجب کشمکش میں پھنساتی ہے حرص
مصیبت نئی روز لاتی ہے حرص
بشر ہی کو لاتی نہیں دام میں
فرشتوں کو کوئیں جھکاتی ہے حرص
حریصوں کو دیتی ہے داغ الم
دلوں پہ یہ سکہ بٹھاتی ہے حرص
بڑھاتی ہے پہلے دلی خواہشات
پھر آخر کو عزت گھٹاتی ہے حرص
قناعت نکل جاتی ہے خود بخود
جب انسان کے دل میں آتی ہے حرص
ہے نادر یہی قصۂ مختصر
جہنم کا کندہ بناتی ہے حرص

○

حاجت ہو تجھ کو لاکھ مگر لے نہ یار قرض
مٹی میں سب ملائے گا عز و وقار قرض
اب تو وبالِ جان ہے یہ پروردگار قرض
تو اپنے دستِ غیب سے میرا اتار قرض
پوری کرے گا خود ہی خدا تیری احتیاج
تو نقد آبرو سے نہ لے زینہار قرض
سود و زیاں کا ہوش اگر ہے تو دور بھاگ
بقال دے گا بن کے ترا غمگسار قرض
عندالطلب کرے گا جو وعدہ خلافیاں
کھو دے گا اس طرح سے ترا اعتبار قرض
بستر پہ تجھ کو نیند نہ آئے گی رات بھر
کھٹکے گا تیری آنکھوں میں مانند خار قرض
نادر ترے ہی واسطے لکھی ہے یہ غزل
تجھ کو خدا کی مار جو لے پھر ادھار قرض

○

کیوں دکھائیں گے بھلا وہ مجھے رخسار کا خط
پہلے ہی بھیج چکے خط پہ جو انکار کا خط
کچھ نہ کچھ تو مرے دشمن نے پڑھادی پٹی
یک قلم بند ہوا ہے جو مرے یار کا خط
دست بوسی کی تمنا کا تھا جو ذکر اس میں
مل دیا پانؤں سے ظالم نے مرے پیار کا خط
جس کا ایمان نہیں یہ وہ مسلمان نہیں
صاف قرآن کی صورت ہے رخ یار کا خط
اک نظر دیکھتے ہی اڑ گئے دل کے پرزے
تیر تھا تیغ تھا خنجر تھا کماں دار کا خط
مری تحریر کو وہ آگ دکھا دیتے ہیں
اور آنکھوں سے لگا لیتے ہیں اغیار کا خط
خون ناحق کی وہی دیگا شہادت نادم
میری گردن پہ جو رہ جائے گا تلوار کا خط

کیوں نہ ہو دل کو مرے پیکانِ جاناں کا لحاظ
دل سے ہر اک میزباں رکھتا ہے مہماں کا لحاظ

سر کے بل جاتا ہوں میں جاتا ہوں گر اس کی طرف
اللہ اللہ اس قدر ہے کوئے جاناں کا لحاظ

کیوں نہ عریانی میں ہو مجھ ننگِ عالم کو خوشی
دستِ وحشت کو نہیں ہے جیب گریباں کا لحاظ

کل کے وعدوں سے ترے کب تک تسلی دل کو دوں
چاہیئے تجھ کو ذرا تو عہد و پیماں کا لحاظ

دیکھنے دیتا تو ہے اس بت کی صورت دور سے
ہے مجھے رضواں سے بڑھ کر اس کے دربان کا لحاظ

دستگیری گر نہیں کرتے تو منہ سے بولیئے
کچھ نہ کچھ تو چاہیئے بیمارِ ہجراں کا لحاظ

ٹھنڈے دل سے آج تو دے جامِ آبِ آتشیں
کچھ تو کر ساقی بھلا مجھ سوختہ جاں کا لحاظ

کون کبھی ناہور مرے ایسے بتِ بے درد پر
جس کو مطلق کبھی نہیں مجھ خستہ ساماں کا لحاظ

کیوں جلاتے ہو عزیزو تم سرِ مدفن چراغ
دل کے داغوں سے ہیں خود ہی سیکڑوں روشن چراغ

زخمِ سوزاں کو مرے جراح تو ٹانکے نہ دے
مجھ کو ڈر ہے بن نہ جائے دیدۂ سوزن چراغ

اللہ اللہ اس قدر ہے حسنِ جاناں کی دمک
ہو رہے ہیں سب در و دیوار کے روزن چراغ

خود نمائی کا حسینوں کو بڑا ہوتا ہے شوق
مہر و ماہِ چرخ کا ہر وقت ہے روشن چراغ

داغِ سینہ ہو رہے ہیں آفتابِ آسمان
اس شبِ تاریک میں ہم کیا کریں روشن چراغ

آج شب کو کون گل رو آئے گا گل گشت کو
جو ہتھیلی پر لیے ہیں لالۂ گلشن چراغ

ظلمتِ تربت سے تادر کچھ نہیں دہشت مجھے
داغِ دل کا لے کے جاؤں گا تہِ مدفن چراغ

○

کہہ رہا ہے طرزِ تحریر اسے بت بے پیر صاف
دل میں ہے جتنی کدورت اتنی ہے تحریر صاف

جبہ سائی میں کروں گا آستانِ یار پر
اب اسی تدبیر سے ہوگا خطِ تقدیر صاف

مشغلہ اپنا ہے سودائے زلفِ یار میں
قید خانہ میں کیا کرتا ہوں اب زنجیر صاف

روئے تاباں دیکھ کر ہی اس کی آنکھیں جھک گئیں
کس طرح مانی سے کھنچتی یار کی تصویر صاف

صورتِ تصویر بن جاتا ہوں اس کے سامنے
حال جب یہ ہے تو منہ سے کیا کروں تقریر صاف

خواجہ عشرت[1] کا نادر جب سے میں شاگرد ہوں
آشکارا ہے مری غزلوں سے رنگِ میر صاف

○

[1] خواجہ عشرت لکھنوی محقق، اور صاحب علم شاعر جو میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ اس طرح نادر صاحب کا سلسلہ میر تک پہنچتا ہے۔

اے صنم کاٹے نہیں کٹتے ہیں ایام فراق
اب گلا ہی کاٹ لیں گے غم سے ناکام فراق

گر نہ ہوتا گیسوئے شبرنگِ جاناں کا خیال
کیوں نظر آتی مجھے وقتِ سحر شامِ فراق

اس میں جو جو گل کھلا کرتے ہیں وہ اس میں کہیں
جامِ جم سے بھی کہیں رنگین ہے جامِ فراق

جب سے اک شعلہ جبیں نے کر لیا پہلو تہی
گرم رکھتا ہے مرا پہلو دلارامِ فراق

چمن سے آغوشِ مرقد میں سلا دیتا ہے یہ
ابتدائے عشق سے بہتر ہے انجام فراق

گر کیا ہے عشق اے دل جاں لے اتنا ضرور
موت کا پیغام دے گا تجکو پیغامِ فراق

اس بلا میں مرغ جاں پھنس کر نہ چھوٹے گا کبھی
زلف کی مانند ہے پر پیچ و خم دام فراق

جان دے کر ہم کو نادر یہ حقیقت کھل گئی
ابتدائے عشق سے چلتی ہے صمصامِ فراق

دیکھیں اثر نہ ہوگا دل پر ترے کہاں تک
جانے لگی ہیں آہیں اپنی اب آسماں تک

کہدے نہ یہ خموشی رازِ غمِ نہاں تک
وہ چپ لگی ہوئی ہے گویا نہیں زباں تک

میں گلشنِ جہاں میں ایسا ہوں سبز قسمت
بجلی کی چشمکیں ہیں میرے ہی آشیاں تک

دیوار و در سے اپنی تقدیر پھوڑ لیں گے
سر تو نہ اپنا پہنچا اس سنگِ آستاں تک

ترکِ ستم کی ناحق اب کھا رہے ہیں قسمیں
برباد مجھ کو کردو تم سے بنے جہاں تک

کرتے ہیں سب نصیحت ہونا نہیں ہے اتنا
لے آئے کاش جاکر کوئی انھیں یہاں تک

ہستی ہی کیا بھلا ہے اک دل کی ایک جاں کی
قرباں تم پہ کردیں ہم عمرِ جاوداں تک

ناتمام —

رشکِ دشمن نے لگادی ہے دلِ مضطر میں آگ
کیوں نہ انگاروں پہ لوٹوں لگ گئی جب گھر میں آگ

گریونہی بھڑکے گا آہوں سے چراغِ داغِ دل
لگ اٹھے گی خود بخود پیراہن و بستر میں آگ

ہو گیا ہوں آگ کا پتلا میں سوزِ عشق سے
کیا تعجب جل اٹھے جو قبر کے پتھر میں آگ

جب بھری برسات میں کرتا ہوں آہِ پر شرر
برق بن کر وہ لگا دیتی ہے ابرِ تر میں آگ

پان کی سرخی لب و دندان پہ اس کے دیکھ کر
میں یہ سمجھا لگ گئی ہے معدنِ گوہر میں آگ

جب سے سودا ہے کسی کے آتشیں رخسار کا
اک قیامت کی لگی رہتی ہے میرے سر میں آگ

جب میں روتا ہوں شبِ فرقت میں تو ہنستے ہیں یہ
کاش لگ جائے الٰہی دیدۂ اختر میں آگ

ہم اسیرانِ قفس نادر اڑیں کیا تا چمن
لگ گئی ہے آہ کے شعلوں سے بال و پر میں آگ

ترا در ہے بخت آزمانے کے قابل
ترا آستاں سر جھکانے کے قابل
مری روسیاہی کی رنگت تو دیکھو
نہ رکھا کہیں منہ دکھانے کے قابل
نہ جانا تو صہبا کی رنگینیوں پر
پری یہ نہیں منہ لگانے کے قابل
خدا کی محبت کے قابل تو ہو جا
نہ ہو گر نہیں ہے زمانے کے قابل
کرم سے جو دے تو دے سرفرازی
بھلا میں ہوں کب سر اٹھانے کے قابل
یہ حالت ہے اب تیرے بیمارِ غم کی
نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل
جہاں تک بنے اڑ چلو جلد نادر
یہ گلشن نہیں آشیانے کے قابل

اب کیا ہے جو امید دیکھیں زندگی سے ہم
دل کی مراد پا نہ سکے جب کسی سے ہم

وہ ہنس پڑے تو جی گئے روٹھے تو مر گئے
جیتے ہیں اب نہ مرتے ہیں اپنی خوشی سے ہم

ہوتے ہیں مشکلوں ہی سے آسان مشکلیں
کانٹے کو بھی نکالتے ہیں خار ہی سے ہم

کچھ حال چال پوچھ لے کچھ بات چیت کر
بیٹھے ہیں تیری بزم میں دُور اجنبی سے ہم

دونوں جہاں میں حیف کہیں اپنا گھر نہیں
جائیں تو اٹھ کے جائیں کہاں اس گلی سے ہم

نادر وہ اپنی راہ پر آئے نہ آئیں گے
لو جادۂ وفا میں گذرتے ہیں جی سے ہم

اے بُت ہمارے سجدوں سے ہے خاک فائدہ
لے توبہ مانگتے ہیں تری بندگی سے ہم

○

کیوں یہ کہتے ہو کیا نہیں معلوم
کیا مرا مدعا نہیں معلوم
درد دل کی دوا نہیں معلوم
اب اُمید شفا نہیں معلوم
جب سے تم نے نگاہ پھیری ہے
دل کو کیا ہو گیا نہیں معلوم
شکوہ سمجھو نہ تم تو کہہ بھی دوں
تم کو رسم وفا نہیں معلوم
جان لینے کی ٹھان لی ہے کیا؟
کیوں ہو مجھ سے جدا نہیں معلوم
شکوۂ بخت ہے عبث نادر
تجھ کو رب کی رضا نہیں معلوم

○

دل کو فریبِ دہر سے بہلا رہے ہیں ہم
موجِ سراب ہی سے سکوں پا رہے ہیں ہم

○

کوئی اس ظالم کو سمجھاتا نہیں
وہ ستم کرنے سے باز آتا نہیں
چشمِ دل سے دیکھ اُسے تو دیکھ لے
چشمِ ظاہر سے نظر آتا نہیں
کب خیالِ زلف میں ہر رات کو
دل پہ میرے سانپ لہراتا نہیں
گل سے نسبت کیا ترے رخسار کو
یہ تو وہ گل ہے جو کمھلاتا نہیں
دردِ فرقت سے ہے اب ہونٹوں پہ دم
پھر بھی ظالم کو ترس آتا نہیں
وہ نہیں آتے تو نادر کیا گلہ
ہوش جب دو دو پہر آتا نہیں

ثابت ہے میرا جینا گوارا نہیں تمھیں
جھوٹی جو میرے سر کی قسم کھا رہے ہو تم

تا عمر رہوں میں ذکرِ خدائے جلال میں
سو شو بھی گر زباں ہوں مرے بال بال میں
ملتی نہیں مثال جہانِ مثال میں
بے شک تو بے مثال ہے حسن جمال میں
یہ آرزو ہے جو مری تقدیر جاگ اٹھے
دیکھوں میں اس کو خواب میں جو ہے خیال میں
آتا ہے بار بار عیادت کے واسطے
تجھ سے سوا تو رحم ہے میرے خیال میں
ممکن نہیں کہ دل سے مٹے داغ آرزو
یہ چاند وہ نہیں ہے جو آئے زوال میں
اظہارِ آرزو پہ کہا کیا جواب دوں
ہر بات لاجواب ہے تیرے سوال میں
نادر مرے سخن میں کوئی بات ہی نہیں
بالا ہو بول کس طرح اہلِ کمال میں

لے چلا ہے تو مجھے جوشِ جنونِ دل کہاں
کوئے جاناں کے سوا اب ہے مری منزل کہاں

میں کہاں اور تجھ سراپا ناز کی محفل کہاں
پھر بھی لے آئی ہے میری آرزوئے دل کہاں

ہر قدم پر دست گیری کی جنونِ عشق نے
ورنہ دیوانہ کہاں اُس ماہ کی محفل کہاں

جس کو سننا چاہیئے تھا اس کو تو نیند آ گئی
اب سناؤں جا کے اپنی داستانِ دل کہاں

تیری صورت دیکھ کر میں ہو گیا حق آشنا
اب وہ پہلا سا فریبِ جلوۂ باطل کہاں

عشق کی سرکار ہے جو سرفرازی بخش دے
ورنہ میرا سر کہاں اور خنجرِ قاتل کہاں

تہ نشینِ موجِ بحرِ بیکرانِ عشق ہوں
میں اگر مثلِ حباب ابھروں بھی تو ساحل کہاں

بار ہو گا بھی کسی کو تو وہ ہو گا غیر ہی
نادرِ صحرا نشیں اُس بزم کے قابل کہاں

پھرتی ہے بلبل گلشن گلشن
میں دیوانہ تجھ بن ۔ بن ۔ بن
تختۂ قبر میں بھی ہوں روزن
خاک گرے تا چھن چھن چھن چھن
کیا یہ دونوں مل سکتے ہیں
میرے آنسو ۔ تیرا دامن
تیرا دل کیا؟ میرا دل کیا؟
یہ ہے شیشہ وہ ہے آہن
اٹکی رہے گی جان آنکھوں میں
ہو نہ جب تک تیرا درشن
خاک نشیں ہوں یوں تو نادر
چشم مہر میں عرش نشیمن

ایک عالم ہے اُسی کا شیفتہ
جس کو آنکھوں سے کبھی دیکھا نہیں

ہم ترے ہجر میں کیا کرتے ہیں
روز مرنے کی دعا کرتے ہیں

تیری بیداد و ستم کے بدلے
دل سے ہم شکر ادا کرتے ہیں

مجھ سے کیا ضد ہے طبیبو کوئی
آپ جو میری دوا کرتے ہیں

خوئے تسلیم و رضا ہے اپنی
شکوہ کرتے نہ گلا کرتے ہیں

غیر ممکن ہے جو فطرت بدلے
عاشقی شاہ و گدا کرتے ہیں

عرض میری کبھی سنتے ہی نہیں
وہ تو دشمن کا کہا کرتے ہیں

اور بڑھتی ہے میری کب بے ہوشی
جب وہ دامن سے ہوا کرتے ہیں

پڑھتے ہیں خود انھیں خط لکھ لکھ کر
ہم مقدر کا لکھا کرتے ہیں

خاص رحمت ہے بندوں پہ نادر
دیکھتے کبھی ہیں سنا کرتے ہیں

گھرے ہیں غم کے جو بادل وہ سر سے ٹل جائیں
الٰہی اب تو ہمارے بھی دن بدل جائیں

بڑھی ہے وحشتِ دل اس قدر غریبی سے
عجب نہیں ہے جو صحرا کو ہم نکل جائیں

مثالِ پردۂ در گو کہ گرتے جاتے ہیں
تراجو ہات لگے ہم ابھی سنبھل جائیں

عجیب وقت میں ہم پر پڑا ہے وقت ایسا
ہمیں بھی رزق دے یا رب کہ جس سے پل جائیں

نظام دہر کی کل اس طرح سے گرداں ہے
رکے ہیں کام جو اپنے وہ پھر سے چل جائیں

مثالِ آستیں دامن بھی چل دیا اب تو
کہیں دماغ بھی اپنے نہ غم سے چل جائیں

خدا کے حکم سے کس کو ہے تابِ روتابی
بشر کا حکم ہو نادر تو ہم مچل جائیں

مولف نے خود اپنے مسودے پر۔ نوٹ مرقوم کیا ہے کہ "اس غزل کو بڑی مصیبت کے وقت لکھا تھا۔ خدا نے وہ مشکل حل کر دی امید ہے کہ غزل منت کے طور پر پڑھی جائے تو خدا پڑھنے والے کی مشکل حل کر دے گا۔" نادر مورخہ ۱۸ ارد سمبر سن ۲۲

وصلِ جاناں کی کوئی آس نہیں
رو بہ امید میری یاس نہیں
ہجر میں کوئی دل کو بہلائے
کیا قیامت ہے وہ بھی پاس نہیں
صاف کہتا ہوں تم پہ مرتا ہوں
راستگوئی میں کچھ ہراس ہیں
رخِ جاناں کے منہ نہ لگ اے گل
تجھ میں وہ بو نہیں وہ باس نہیں
میری حالت پر اب نظر کریئے
اور کچھ میری التماس نہیں
شمع ہے اور میں ہوں ہجر کی شب
کوئی دل سوز آس پاس نہیں
نخلِ حسرت میں کیا ثمر آئے
اس چمن کی ہوا ہی راس نہیں
اہلِ فن داد دیں تو ہے نادر
خواہشِ داد ناشناس نہیں

گل پیرہن کو چاک ترے روبرو کریں
غنچوں کا منہ نہیں ہے جو کچھ گفتگو کریں

گو حشر ہی کا وعدہ بت حیلہ جو کریں
کچھ تو تسلیٔ دل پُر آرزو کریں

کعبہ میں تو مِلا نہ ملا دیر میں ہمیں
لے تو ہی اب بتا کہ کہاں جستجو کریں

برپا ابھی ہو شورِ قیامت جہان میں
مستِ الست آپ سے گر ہاؤ ہو کریں

کیا کر سکیں گے ان کی جو سید حفظ رہے
جھوٹی شکایت آکے ہمیشہ عدو کریں

نادر نہ پائیں گے وہ غلط میرے شعر میں
سو بار عیب جوئیاں گر عیب جو کریں

حدِّ شکر ہمسر کشی تو نہیں ہے مثالِ تیغ
پروا نہیں جو صاحبِ جوہر نہیں ہوا ہیں

ایک دل ہے اور ارماں سیکڑوں
میزباں ہے ایک مہماں سیکڑوں

تیرے پیچھے اپنے اپنے دیں سے
پھر گئے گبر و مسلماں سیکڑوں

دم بھروں کیوں کر نہ تیغ یار کا
میری گردن پر ہیں احساں سیکڑوں

دیکھ کر تیری قبائے چست کو
چاک کرتے ہیں گریباں سیکڑوں

جل گئے تیری لو میں اے شعلہ دہن
بن گئے سرو چراغاں سیکڑوں

غیرت سینہ ہے اب سینہ مرا
داغ ہیں دل میں فروزاں سیکڑوں

دل پہ ہو کیوں کر نہ تربت کا گماں
حسرت مردہ ہیں پنہاں سیکڑوں

پردۂ بے جا جو ان کا ہے یہی
ہوں گے نادر چاک داماں سیکڑوں

ہم ان کے غم میں تڑپ رہے ہیں جو غیر سے دل لگا چکے ہیں
ہمارے دل میں ہے یاد اُن کی جو ہم کو دل سے بھلا چکے ہیں
بلائے محشر بھی سہل ان کو عذاب دوزخ بھی ان کو آسان
جو تیری الفت میں اپنے دل پر غم جدائی اٹھا چکے ہیں
عدو سے جاکر کرو یہ باتیں وہیں گزارو تم اپنی راتیں
تمھاری باتوں میں آچکے ہم تمھیں بہت آزما چکے ہیں
اگر نہ آئیں نظر نہ آئیں نہیں ہے کچھ بھی خیال اُن کا
کہاں وہ جائیں گے منہ چھپا کر ہمارے دل میں جب آچکے ہیں
یہ کیا قیامت ہے یا الٰہی کہ ان کی آمد کا حال سن کر
شکیب صبر و قرار ہوش و حواس پہلے ہی جا چکے ہیں
خیال کچھ بھی نہیں ہے تجھ کو بتِ پر پوش ہمارا ہم تو
تیری محبت میں نقد جان و دل و جگر بھی لٹا چکے ہیں
بتوں کو دنیا نہ بھول کر دل نہ ان پہ ہوتا ذرا بھی مائل
نہیں ہے جز رنج ان سے حاصل تجھے یہ نادر بتا چکے ہیں

ہم دل فدا کریں کہ تصدق جگر کریں
جو کبھی کہیں حضور وہی عمر بھر کریں
ہمدم نہیں ہے کوئی کسے نامہ بر کریں
کیوں کر ہم اپنے حال کی ان کو خبر کریں
کچھ اب تو آپ چارۂ دردِ جگر کریں
مجھ پر نہیں تو اپنے کرم پر نظر کریں
کچھ بات ہے لبوں پہ جو مہرِ سکوت ہے
کرنے کو ناہے شام سے ہم تا سحر کریں
طولِ شبِ فراق سے گھبرا گیا ہے جی
اے کاش آپ قصہ مرا مختصر کریں
تقدیر ہی میں لکھی ہو جب مرگِ بے کسی
کیا خاک پھر علاج مرے چارہ گر کریں
بے چپکے چپکے کام کیئے جا نیم فراق
دنیا کو گھر کی بات سے کیا باخبر کریں
منزل کا کچھ پتہ نہ قدم کے نشان ہیں
دشتِ طلب میں ہائے کیسے راہ بر کریں
نادر یہی ہے اصل میں معراج بندگی
یادِ ان کی ان کے عشق سے بھی بیشتر کریں

○

کب جدائی سے بیقرار نہیں
کب ترا مجھ کو انتظار نہیں

بے ثباتی کو ہے ثبات اس جا
ورنہ ایک شے کو بھی قرار نہیں

ان گناہوں سے کیا بچے انسان
جن گناہوں پہ اختیار نہیں

طالبِ جلوہ ہے اگر اے دل
پردہ در ہے تو پردہ دار نہیں

زندگی میں نہ ہو قرار طلب
زندگی کو کبھی قرار نہیں

یہ طلسمِ جہاں ہے لامحدود
اس میں کوئی رہِ فرار نہیں

اتنا مایوس و بیر ہوں نادر
رحمتِ حق کا اعتبار نہیں

○

○

کیا کرم کا کبھی آسرا نہ کریں
کیا بشر ہو کے کبھی خطا نہ کریں
غم نہ دیں وہ تجھے قیامت کے
ابتدا ہی میں انتہا نہ کریں
کر دیا کام دردِ فرقت نے
چارہ گر اب مری دوا نہ کریں
کیا عجب ہے کہ ان کے رحم آجائے
ان سے کیوں عرض مدعا نہ کریں
کیا کریں دل تو مانتا ہی نہیں
خط تمھیں کس لئے لکھا نہ کریں
میں کبھی کل تک نہ ہونگا اے قاصد
نہ کریں آج وہ کہا نہ کریں
ہم کو ممکن نہیں وصالِ خدا
دل سے گر ترکِ ماسوا نہ کریں
ڈوبنے والے ڈوب جائیں مگر
ناخداؤں کا آسرا نہ کریں
وقت پیری اب آ گیا نادر
رات دن کیوں خدا خدا نہ کریں

○

جو نہ آئے وہ طبیعت ہی نہیں
جو نکل جائے وہ حسرت ہی نہیں
ان سے امید وفا کیا رکھوں
یہ نصیب اور یہ قسمت ہی نہیں
میں وہی تم بھی وہی ہو لیکن
وہ عنایت وہ مروت ہی نہیں
دل مرا رکھنے کو کہہ دیتے ہیں
تم سے تو مجھ کو عداوت ہی نہیں
رات دن ہجر میں ہم روتے ہیں
یعنی اب مرنے کی فرصت ہی نہیں
شاعر اپنے کو کہوں کیا نادرؔ
شعر گوئی کی لیاقت ہی نہیں

○

مری طرح کا نہیں کوئی نغمہ گو نادرؔ
میں ایک بلبل شیریں صدا ہزاریں ہوں

○

چرا لیتے ہیں آنکھیں ہمنشیں بھی حال ابتر میں
شرارے بھاگتے ہیں چوٹ جب لگتی ہے پتھر میں
اثر غم کا نہ ہو کیوں کر دل اصحاب جوہر میں
نشان سنگِ طفلاں پڑتے ہیں شاخ ثمر در میں
مری تقدیر کی افتاد بھی ہے دید کے قابل
کبوتر کا وہی پر گر پڑا نامہ تھا جس پر میں
نگاہِ شوق سر پھوڑے نہ کیوں کر نامرادی سے
بت کافر نے پتھر رکھ دیا ہے روزنِ در میں
کسی کے سامنے گر ہات پھیلانے سے ڈرتا ہے
دل دنیا طلب پھر پاؤں پھیلا اپنی چادر میں
زمانہ قدر دانی ہی نہیں کرتا تو کیا حاصل
عبث نادر نہ کر جوہر تو اپنا کسبِ جوہر میں

ء۱ جوہر کرنا بمعنی اپنے کو قتل کرنا۔ راجپوت جنگ میں شکست ہو جانے پر پورے خاندان کے ساتھ آگ میں جل جاتے تھے۔ مولف

○

تم سے چھٹ کر خطِ حیات کہاں
جی رہا ہوں مگر وہ بات کہاں
دیکھ ہے مرکزِ حیات کہاں
جا رہی ہے یہ کائنات کہاں
کیا سوادِ شباب پیری میں
اب سپیدِ سحر ہے رات کہاں
لوٹ بھی جا لحد سے گردشِ چرخ
تو چلے گی ہمارے سات کہاں
یونہی دنیا بدلتی جائے گی
گردشِ چرخ کو ثبات کہاں
ساری دنیا میں دیکھ لے پھر کر
گردشِ بخت سے نجات کہاں
راکبِ دوش ہے جو اے نادرؔ
جا رہی ہے تری برات کہاں

○

جو دردِ جگر میں کمی ہو تو جانوں
قیامت اگر ملتوی ہو تو جانوں
مقدر نہ میرا بگڑ کر بنے گا
کسی کی کبھی بگڑی بنی ہو تو جانوں
مجھے تیری فرقت میں جو بے کلی ہے
تجھے بھی وہی بے کلی ہو تو جانوں
شبِ غم میں کل میں نے تارے گنے ہیں
ذرا آنکھ میری لگی ہو تو جانوں
سوائے مئے ساغرِ چشمِ ساقی
جو نشے میں کبھی میں نے پی ہو تو جانوں
رقیبوں کی ہر بات کرتے ہو پوری
مرے ساتھ کبھی منصفی ہو تو جانوں
پسِ مرگ نادرؔ وہ آئے کبھی تو کیا
عنایت اگر جیتے جی ہو تو جانوں

دہر غم سے قرار کیسے ہو
زندگی خوشگوار کیسے ہو
کر کے وعدے ہزار توڑ دیئے
اب ترا اعتبار کیسے ہو
جرم عصیاں ہیں بے شمار اپنے
ہو تو ان کا شمار کیسے ہو
غم یہی ہے کہ اپنے دل کا غم
یار پر آشکار کیسے ہو
ان سے عفو گناہ کیا مانگیں
حوصلہ بار بار کیسے ہو
کچھ نہ کہتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں
ہائے دل کو قرار کیسے ہو
دل تو رو رو کے ہم نے کاٹ لیا
اور اب انتظار کیسے ہو
کیا مآل فنا ہے اے نادر
تم زیر مزار کیسے ہو

نوٹ :۔ کیسے کی جگہ کیوں کر ہونا چاہیئے مگر بہزاد لکھنوی نے یہی لکھا ہے۔
مولف۔

آپ کی چشم عنایت سے کہیں ایسا نہ ہو
درد دل کبھی دور ہو درد جگر پیدا نہ ہو
نقد دل کھوٹا کھرا جیسا کبھی ہے موجود ہے
اے نگاہ یار پہلے دیکھ لے دھوکا نہ ہو
رکھ ہمیشہ پاس وعدہ اُو بتِ پیماں شکن
وہ کبھی کیا انسان جو اپنی بات کا پورا نہ ہو
میرے گھر آنے سے اے جاں عذر ناحق ہے نہیں
دل اگر چاہے تو ممکن ہی نہیں رستا نہ ہو
سامنے جب ہو کوئی تو لطفِ شوقِ دید کیا
کیا محبت کا مزا جب درمیاں پردا نہ ہو
حضرتِ دل بس ابھی سے آپ گھبرانے لگے
دیکھئے دردِ جدائی سے ابھی کیا کیا نہ ہو
جب جدائی یار سے ٹھہری تو نادر غم ہی کیا
غیر ممکن ہے جو قسمت کا لکھا پورا نہ ہو

○

ان کو خود ہی خیال کیسے ہو
ہمتِ عرضِ حال کیسے ہو
اللہ اللہ یہ رعبِ حسن ان کا
دیکھنے کی مجال کیسے ہو
روتے دیکھا مجھے مگر تم نے
کبھی پوچھا نہ حال کیسے ہو
لغزشوں پر مری نگاہ نہ کر
مجھ سے یارب نہال کیسے ہو
آرزوئے طلب ہے ترک کے بعد
ان سے پھر بول چال کیسے ہو
وضعداری نے سی دیئے ہیں لب
منہ نہیں تو سوال کیسے ہو
وہ مرے پاس بیٹھے ہیں نادر
لیکن اظہارِ حال کیسے ہو

○

میرا تابوت چلا دفن کو جب چار کے ہاتھ
سینہ کوباں نظر آئے در و دیوار کے ہاتھ

یہ پریشانئ دل بڑھ کے خبر دیتی ہے
موت تیری ہے کسی کاکلِ خمدار کے ہاتھ

رزق دیتا ہے تجھے روز کفیلِ عالم
میں وہ مفلس ہوں جو تکتا نہیں زردار کے ہاتھ

بھر دیا ہے مری جانب سے کسی نے ایسا
اب تو کانوں ہی پہ رہتے ہیں مرے یار کے ہاتھ

ہو نہ جائے یہ کہیں زرد مرے پھولوں میں
آبرو ہے مری تیرے گلِ رخسار کے ہاتھ

سرفروشانِ جہاں مان گئے ہیں لوہا
بڑھ کے مقتل میں جو کھاتا ہوں میں تلوار کے ہاتھ

کچھ تو دنیا کے مزے میں بھی اٹھا لوں نادر
حشر کی شرم رہی رحمتِ غفار کے ہاتھ

تیرے سوا نہیں ہے محبت کسی کے ساتھ
اب تو ہے تیری یاد مری زندگی کے ساتھ
کیوں مرنے دے رہے ہیں مجھے بیکسی کے ساتھ
جینے کی اب امید ہے تو آپ ہی کے ساتھ
آزارِ عشق تو ہے مرے جیتے جی کے ساتھ
بے موت کی یہ موت بھی ہے زندگی کے ساتھ
آنکھوں میں کیوں نہ آنسو بھر آئیں ہنسی کے ساتھ
دنیا میں غم ملا ہے تری ہر خوشی کے ساتھ
یارب یہی ہے ابتو مری وجہِ زندگی
جل جائے آرزو بھی نہ دل کی لگی کے ساتھ
دل میں بسی ہوئی ہے تری چشم منقلب
کیوں میری زندگی نہ کٹے بے کلی کے ساتھ
میری طرف بھی دیکھ لو میں بھی ہوں آئینہ
چشمک زنی یہ خوب نہیں آرسی کے ساتھ
مجھ نادرِ حزیں کو نہیں مفلسی کا غم
فضلِ خدا تو ہے مری بگڑی بنی کیساتھ

○

شب فرقت بسر نہیں ہوتی
نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی
حال آنکھوں سے دیکھتے ہو مرا
پھر بھی مجھ پر نظر نہیں ہوتی
کودتا آگ میں نہ پروانہ
شمع کی لو اگر نہیں ہوتی
زخم دیکھا تو چھپا رکھنے کو
ہمت چارہ گر نہیں ہوتی
بے قراری انھیں کبھی ہے لیکن
جو ادھر ہے ادھر نہیں ہوتی
کان آہٹ پہ کب نہیں رہتے
کب نظر سوئے در نہیں ہوتی
میں وہ بے کس ہوں میری تربت پر
شمع بھی نوحہ گر نہیں ہوتی
حال ہے کون پوچھنے والا
جب تمھیں کو خبر نہیں ہوتی

نا تمام ــــ

○

جب سے پھر چشمِ عنایت یار کی ہونے لگی
جو خلشِ مبہم تھی وہ معلوم سی ہونے لگی

انتشارِ ہجر سے وابستگی ہونے لگی
موت ہی میرے لیے اب زندگی ہونے لگی

چارہ گر بہرِ خدا بھجوا دے اس کو یہ خبر
آپ کے جاتے ہی پھر حالت وہی ہونے لگی

اللہ اللہ ان کے سنگِ آستاں میں یہ کشش
دور ہی سے خم جبینِ بندگی — ہونے لگی

کیا زبانِ چاکِ دامن ہے، زبانِ چاکِ دل
پردے پردے میں جنوں کی مخبری ہونے لگی

دل سے ان کا دل ملے نادرؔ کیسے امید ہے
آنکھ ملتے ہی جب ان کی بے رخی ہونے لگی

بے شک مرا قصور ہے اے بت خفا نہ ہو
سر رکھ دیا ہے در پہ ترے اضطراب میں

دل مٹ گیا تو خیر ضرورت نہیں رہی،
حسرت یہ رہ گئی ہے کہ حسرت نہیں رہی
یہ دل بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا
یا تیری آنکھ میں وہ مروت نہیں رہی
تیری نظر کے ساتھ بدلتا رہا ہے دل
دو روز بھی تو ایک سی حالت نہیں رہی
آؤ گے تم نہ کام تو ہوتا ہے اپنا کام
اب دل کو اور صبر کی طاقت نہیں رہی
تردامنی سے ہاتھ نہ دھوائے دل حزیں
کیا اب خدا کی جوش پہ رحمت نہیں رہی
کس شب تڑپ تڑپ کے نہ کاٹی تمام شب
کس روز میرے گھر پہ قیامت نہیں رہی
نادر نہ آئے حرف تمھاری زبان پر
وہ شعر کیا ہے جس میں فصاحت نہیں رہی

○

کچھ نہ پوچھو مری کٹی کیسی
دور تم تھے تو زندگی کیسی

بات پوچھو مری تو بات بھی ہے
میرے دشمن سے دوستی کیسی

ہم سے سیدھی ہی چال چل اے فلک
سیدھے سادوں سے کجروی کیسی

آتش غم سے جل کے بھی چپ ہوں
اور ہوتی ہے بے بسی کیسی

ہجر میں کیوں نہ دل بجھے نادر
موت میں رہ کے زندگی کیسی

○

دل بجھی کیا سوز غم نے پھونک دیا
آج اشکوں میں ہے کمی کیسی

پھول مرجھا گئے تو کہتے ہیں
تھی بہار اپنی عارضی کیسی

○

○

کہاں تک مجھے آپ رسوا کریں گے
تماشا بنا کر تماشا کریں گے

غم دل کا کچھ تو مداوا کریں گے
اگر کچھ نہ ہوگا تو رویا کریں گے

مجھے آپ سے ہے فقط چشم رحمت
برا بھی کریں گے تو اچھا کریں گے

ہمیں آپ دیکھیں نہ دیکھیں مگر ہم
سلامت ہیں آنکھیں تو دیکھا کریں گے

خوشی کی تمنا تو کیا فکر یہ ہے
وہ غم بھی نہ دیں گے تو ہم کیا کریں گے

محبت میں بھر پائے ہیں ہم تو نادر
کسی کی نہ جھوٹوں تمنا کریں گے

○

نہیں ہے یوں تو ٹھکانا سرائے عالم میں
جہاں بھی تھک کے گریں گے قیام کریں گے

○

○

ضرور ان سے ہم اظہار مدعا کرتے
زبان رکھتی تو آنکھوں سے التجا کرتے
خدا کے فضل کا کیوں کر نہ آسرا کرتے
خطا نہ کرتے اگر ہم بڑی خطا کرتے
مزے مزے سے بیاں دل کا ماجرا کرتے
انھیں بھی درد کی لذت سے آشنا کرتے
خدا کا شکر عیادت کو آئے تو آخر
بھلا ہم آپ کا قاصد سے کیا گلا کرتے
شبِ فراق میں اس بات سے تسلی ہے
تمھاری یاد نہ آتی تو آج کیا کرتے
بتوں کا عشق بھی کس درجہ عبرت آگیں ہے
تمام عمر کٹی ہے خدا خدا کرتے
سنا گیا ہے کہ پہنچے ہوئے فقیر ہیں آپ
مرے لیے بھی تو نادرؔ کبھی دعا کرتے

○

تاجِ شہی نہ شوکتِ شاہانہ چاہیئے
اک تیری یاد چاہیئے ویرانہ چاہیئے
گر طالبِ خوشی ہے تو غم کی تلاش کر
تسخیرِ قصر کے لیے ویرانہ چاہیئے
مرنا ہی گر تجھے ہے تو مردانہ وار مر
جلنا ہے مثلِ شمع تو پروانہ چاہیئے
عاقل بہ زعمِ عقل نہ سمجھے گا جیتے جی
رازِ خفی سمجھنے کو دیوانہ چاہیئے
تیری نگاہِ مست اگر میری طرف ہے
کوثر کی پھر ہو چاہ نہ میخانہ چاہیئے
نادرؔ یہ آرزو ہے وہ پیشِ نظر رہے
دنیا نہ چاہیئے مجھے عقبا نہ چاہیئے

سوز و گداز دیکھیئے دکھلائیے ذرا
دل میرا مثلِ شمع پگھل لے تو جانیئے

○

شکل جب تیری یاد پڑتی ہے
کیا کیا حالت مری بگڑتی ہے
کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی
بن کے تقدیر جب بگڑتی ہے
تیغ اس کی ہے کس قدر چلتی
خود گلے بے گنہ کے پڑتی ہے
تیرے کوچے سے کیونکر اٹھ جاؤں
پاؤں میرے زمین پکڑتی ہے
جانے کیوں دل تڑپنے لگتا ہے
آنکھ سے آنکھ ہی تو لڑتی ہے
جب سے سودائے زلف ہے نادر
روز زنجیر پاؤں پڑتی ہے

○

اوجِ دنیا پہ ناز کیا نادر
ہر بلندی کے ساتھ پستی ہے

○

یہ درسِ عشق ازبر او دلِ مہجور ہو جائے
چڑھے جو دار پر پہلے تو پھر منصور ہو جائے
تو ہی جب دیدۂ پر شوق سے مستور ہو جائے
امیدِ زندگانی کیوں نہ دل سے دور ہو جائے
حسینوں میں وفا کا بھی اگر دستور ہو جائے
جو مرتا بھی نہ ہو مرنا اسے منظور ہو جائے
شکستہ دل تو پہلے ہی تھا اب ہوں پاشکستہ بھی
کوئی مجھ سا نہ راہِ عشق میں مجبور ہو جائے
تمہاری لن ترانی کا یقین آتا نہیں آتا
صدائے دل ہی بڑھ کر جب ندائے طور ہو جائے
اسی سے میں کئے جاتا ہوں مشق شاعری نادر
کہ ارشادِ جنابِ عشرتؔ مغفور ہو جائے

۱۔ عشرتؔ لکھنوی سے مراد ہے۔
جن سے نادرؔ صاحب کو بے انتہا عقیدت تھی۔

ظلم تو یاد رہا ان کے کرم بھول گئے
یاد رکھنے کی جو باتیں تھیں وہ ہم بھول گئے
دل میں ٹھانی تھی کہ آج ان سے کریں گے شکوے
شکل دیکھی تو سبھی رنج و الم بھول گئے
خیریت اپنی اگر چاہے تو نیکی کر لے
پھر نہ کہنا یہ قیامت میں کہ ہم بھول گئے
اپنی تقدیر کو روتے ہیں تو روتے ہیں بجا
جب ستم کے ہوئے خوگر وہ ستم بھول گئے
ایک ہم ہیں کہ تمہیں یاد کیے جاتے ہیں
ایک تم ہو کہ سبھی قول و قسم بھول گئے
مدعی کو بھی جو تکلیف میں دیکھا نادرؔ
ایسا صدمہ ہوا ہم اپنا بھی غم بھول گئے

رو رو کے عرض کرتا ہوں ہر شب کو ماہ سے
میری نظر ملا دے کسی کی نگاہ سے

○

ترا خیال بندھے تیری آرزو ہو جائے
بجائے دل مرے سینے میں کاش تو ہو جائے
تری نگاہِ کرم کا جو ایک تار ملے
تو چاکِ دامن زخمِ جگر رفو ہو جائے
بشر کے دل میں جو کانٹے نہ بوئے خار خودی
ریاضِ خلد یہ دنیائے رنگ و بو ہو جائے
ترا ہی بول مرے سازِ دل سے نکلے گا
جدا گلے سے جو تارِ رگِ گلو ہو جائے
خدائے پاک یہ رو کر دعا ہے نادر کی
مرے کلام کی دنیا میں آبرو ہو جائے

○

اٹھے سر کیوں کر ان کے آستاں سے
زمین اونچی ہے جس کی آسماں سے
نگاہوں سے سمجھ لو دل کا مطلب
کہوں تو کیا کہوں اپنی زباں سے

○

جانا اگر ہے آپ کو اے جان جائیے
جائے گی اپنی جان بھی یہ جان جائیے
رخصت کے وقت کر کے یہ احسان جائیے
للّٰہ اب تو بات مری مان جائیے
جوڑے کو کھول کر نہ مری جان جائیے
اتنا نہ مجھ کو کر کے پریشان جائیے
ہم سے خطا نہ ہو گی کہ اہل وفا ہیں ہم
دشمن سے آپ دوست کو پہچان جائیے
جی لوں گا آج اور کبھی کھا کر غم فراق
دشمن کے گھر پہ آپ تو مہمان جائیے
کیوں دیکھتے ہی دے دیا اس بے وفا کو دل
نادر تمہی سمجھ کے کبھی قربان جائیے

○

تنگ آکر تری بے رخی سے
پھیر لیں منھ نہ ہم زندگی سے
کیا جیئے گر جیئے بے دلی سے
موت بہتر ہے اس زندگی سے
فیض پایا نہ جب آپ ہی سے
کیا توقع کریں پھر کسی سے
تو نہ بولے نہ صورت دکھائے
فائدہ کیا تری بندگی سے
مر تو جاؤں مگر غم یہی ہے
لاش اٹھے گی تمھاری گلی سے
بزم میں چل چکا دورِ ساغر
ہم تو بیٹھے رہے اجنبی سے
لگ گئی آگ صحنِ چمن میں
جل گئے پھول تیری ہنسی سے
کیا عجب تختۂ قبر نادرؔ
جل اٹھے میرے دل کی لگی سے

○

عوضِ لطف و کرم جورِ نمایاں کرلے
کرے ظالم تو مجھے خوب پریشاں کرلے

دستِ تقدیر میں ہے سود و زیاں عالم
یوں تو کرنے کے لیے اپنی سعی انساں کرلے

تیرے احباب بھی دیکھیں گے تیری موت کا داغ
مرگِ دشمن پہ تو خوش ہو کے چراغاں کرلے

چشمِ حق بیں میں فقط آنکھ ملی ہے اس کو
آپ کو اپنی نگاہوں سے جو پنہاں کرلے

مشربِ عشق میں تفریق مذاہب کیسی
خود وہ کافر ہے جو کافر کو مسلماں کرلے

ساتھ لے جائیں گے اقلیم عدم کو کیا کیا
کچھ نہ کچھ زادِ سفر ہم گریزاں کرلے

دیکھنا ہی جو ہے رنگینیٔ فطرت نادر
کھول کر آنکھ تماشائے بیاباں کرلے

کب مجھ سی کسی اور کو تقدیر ملی ہے
اقلیم جنوں عشق کی جاگیر ملی ہے

میں کاکلِ جاناں کا فدائی ہوں اسی سے
دل ٹکڑے کیا ہے تو یہ زنجیر ملی ہے

آنکھوں سے لگائے ہوں کبھی رکھے ہوں دل پر
جس روز سے خط میں تری تصویر ملی ہے

رحمت کے بھروسے پہ جیئے جا تو جیئے جا
ہر نیک عمل میں ترے تقصیر ملی ہے

تیرے خطِ انکار سے روشن ہے یہ مجھ پر
تحریرِ حسیں سے تری تحریر ملی ہے

گہوارۂ طفلی ہی سے ہوں شاعرِ کامل
ماں باپ سے مجھ کو یہی جاگیر ملی ہے

گو طرزِ نگارش نہ ملی غم نہیں نادر
ورثہ میں مجھے میر کی تقدیر ملی ہے

میر سے مراد۔ ملک الشعراء میر تقی میر جن کے سلسلے سے خواجہ عشرت لکھنوی کے نادر بھی شاگرد تھے۔

○

نہ دولت نہ جاہ وحشم چاہیئے
تری آرزو تیرا غم چاہیئے
زمانے کو تو بخش دے سروری
مجھے صرف تیرا کرم چاہیئے
نہ رو کے رکے جو کسی چیز سے
رہِ عشق میں وہ قدم چاہیئے
مبارک رقیبوں کو تیری وفا
مجھے صرف لطفِ ستم چاہیئے
جو یہ عارضی ہے تو وہ معتبر
خوشی کے عوض مجھ کو غم چاہیئے
پئے دیدہ بوسی پئے زندگی
مجھے تیرا نقشِ قدم چاہیئے
رقیبوں سے نادرؔ یہ کہدے کوئی
محبت میں مرنے کو دم چاہیئے

○

متفرقات

○

شائع شدہ رسالہ زندگی۔ دہلی۔ اگست ۱۹۶۲ء

○

نہرو تو ایک ہی ہے تیرا نہیں ہے ثانی

○

لا ساقیا پلا دے اک جام ارغوانی
شب بھر تو لوٹ آئے روٹھی ہوئی جوانی
میرے نیاز پہ بھی یہ ناز نوجوانی
لاکھوں خوشامدوں پر تو نے نہ بات مانی
لے آج تو بھی کر دے عاشق پہ مہربانی
ایسی نہ رات ہو گی ایسی نہ شادمانی
گاتی ہیں رقص کر کے حوران آسمانی
حکم قدیر سے ہے نہرو کی حکمرانی
تخیل سے بھی اونچی نہرو ہے تیری کرسی
کیوں کر وہاں رسا ہو دشمن کی بدگمانی
ہر شب ہے عیش کی شب ہر دن ہے جشن کا دن
مردہ دلوں میں پھر سے آئی ہے زندگانی

چشمِ فلک نے دیکھا تیری سی کب حکومت
گویا زمیں پہ ہے یہ تختِ آسمانی
آسودہ چین سے ہیں سب ظلِ عاطفت میں
ہندو ہوں یا مسلماں یا سکھ ہوں یا کرانی
یہ خلق پروری ہے یہ عدل گستری ہے
پیتے ہیں شیر بکری سب ایک گھاٹ پانی
مفلس کو داد دینا بیکس کی فکر لینا
حق ہے تیرا ہی بیشک دنیا کی پاسبانی
بھارت کی یہ حکومت باقی ہے تا قیامت
اس کے سوا جہاں میں ہر شے ہے آنی جانی
کوئی عجب نہیں ہے جو تیری کوششوں سے
قائم ہو اس جہاں میں ایک امنِ جاودانی
گو تیرے دور میں ہے ہر اہلِ فن کی عزت
نہرو مگر نہیں ہے شاعر کی قدردانی
گر عمر بھر لکھوں میں تو بھی نہ مدح ہوگی
نہرو تو ایک ہی ہے تیرا نہیں ہے ثانی
دشمن کو تیرے ذلت لیکن فدائیوں کو
ہر شب ہو شادمانی ہر دن ہو کامرانی
کس منہ سے داد چاہوں اس مدح گستری کی
تجھ کو خوشی مبارک مجھ کو قصیدہ خوانی
درگاہ ایزدی میں نادرؔ یہی دعا ہے
دنیا پہ ہو مسلط بھارت کی راجدھانی

ابو الخیال نادرؔ شاہجہانپوری ۔ ملٹنِ ہند[1]

---

[1] یہ خطاب ان کو ان کے سامعین اور ان کے رسائل نے عطا کیا تھا جن میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔

سخن آموزیٔ عشرت سے نادر
زباں اب ہے زبانِ میر میری

•

خواجۂ عشرت کی اصلاحوں کا نادر فیض ہے
ہند میں جو مستند میری زباندانی ہوئی

•

شاگرد بھی تو خواجۂ عشرت کا تھا کبھی
نادر میں فنِ شعر میں استاد ہوں تو کیا

•

کوہ غم کی وادیوں ہی میں ہے جوئے زندگی
کھل گیا یہ راز جب گہری نظر ہوئے گی

•

یہ گردشِ فلک میں دلیل ثبات ہے
ہوتا رہے خوشی میں اگر غم کبھی کبھی

•

پنہاں تنزلی میں ترقی کا راز ہے
دنیا میں ہر نشیب کے آگے فراز ہے

•

اپنے کو محدود نہ جان
ہر ذرہ ایک دنیا ہے

•

گردشِ سیارگاں سے ہے یہ ثابت صاف صاف
جس کو تو گردش سمجھتا ہے وہی ہے زندگی

اپنی تقدیر کا لکھا پڑھ لے
عاقبت کی کتاب ہے دنیا

منزلِ مقصود پر پہنچا وہی
حرص کو جس نے شکستہ پا کیا

لکھ لے نادر دل پہ یہ تحریر اپنے ہات سے
خود بناتا ہے بشر تقدیر اپنے ہات سے

برق نے مجھ سے چمک کر یہ کہا
مجھ سے تیری مختصر ہے زندگی

ایک تو یونہی طلائی رنگ ڈھاتا تھا غضب
چن لی افشاں، اب تو سونے میں سہاگہ ہو گیا

میری دیوانگی نے چار چاند اس میں لگائے ہیں
نہ ہوتی یہ تو تیرے حسن کی شہرت نہیں ہوتی

اگر کچھ مانگنا ہو تو خدا ہی سے دعا کرنا
بشر محتاج ہے محتاج سے کیا التجا کرنا

ذرا سی خطا پر تو اتنا خفا ہے
بشر ہوں میں آخر تو آخر خدا ہے

عشق کی شان امتیازی ہے
پائمالی میں سرفرازی ہے

عشق خود عاشق ہے خود معشوق ہے
عشق ربط خالق و مخلوق ہے

حسرت نادر یہی ہے دم میں جب تک دم رہے
عشق دامن گیر دل ہو دل ہو دامن گیر عشق

آغاز عشق ہی تو کسی کی سنی نہیں
ہوش آگیا جو سامنے انجام آگیا

صبا کے آنے جانے سے بھی اب تو رشک ہوتا ہے
کہیں چلتی نہ ہو خوشبو اڑا کر زلف جاناں کی

سانس کے پردوں پہ بجتا ہی رہا ساز بقا
وجد میں آ کر قضا نزدیک تر ہوتی گئی

•

تجھے ڈھونڈھ ہی لے گی یہ ہچکی بن کر
مری یاد بھی تیرا گھر جانتی ہے

•

پروانہ عشقِ شمع میں کیا کام کر گیا
جب تک جلی جلا، وہ بجھی تو یہ مر گیا

•

ہم خدا رکھتے ہیں نادر ناخدا کا ذکر کیا
خود چلائے گا وہ کشتی ہم کو اس کی فکر کیا

•

آج ہی کی کچھ خبر ہے نہ بھروسہ کل کا ہے
زندگی اور موت میں وقفہ بھی ہے تو پل کا ہے

•

عقل ناپے لاکھ ہو سکتی نہیں
تیری پیمائش کبھی آلات سے

•

ترے سنگِ آستاں پر دل و سر جھکا دیئے ہیں
یہی ہے نماز میری یہی میری بندگی ہے

•

ابوالخیال ۔ جان رابرٹ پاَل ۔ نادر شاہجہانپوری ثم جھانسوی